(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

خلاصہ

تاریخ ادبیات ایران اردو

برائے افادہ امیدواران امتحان منشی فاضل ۱۹۴۲ء اور مابعد

از

پروفیسر آے ایچ صدیقی امرتسری

مولینا مولوی محمد شفیع صاحب مولوی فاضل منشی فاضل او - ٹی

جسے

شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب علوم مشرقیہ

کشمیری بازار لاہور

نے دسمبر ۱۹۴۱ء میں

مقبول عام پریس ریلوے روڈ لاہور میں باہتمام محمد ابراہیم مینیجر طبع کرایا

کتب نصاب امتحان منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۲ء

قیمت	نام کتاب	رعایتی قیمت	نام کتاب
	رباعیات ابوسعید ابوالخیر معہ حالات	۳ روپے ۱۴ر	پرچہ (۱) دبیر عجم
	(۳) مطلع السعدین از کمال الدین عبدالرزاق	۱۲ر	العروض والقوافی از مولانا رومی
	صفحہ ۱ تا ۶۲۰		جواہر البحور (حصہ نثر) (حصہ مقالات
۱۰ر	انتخاب سیر المتاخرین تا اخیر عہد جہانگیر	۱ روپیہ ۱۲ر	بدیع الزمانی خارج)
	نوٹ:۔ اس پرچہ کے سوالات عبارتی و	عہ ۸ر	شعر العجم حصہ چہارم کاغذ سفید ڈمی
	تاریخی دو نو طرز پر ہوں گے۔	للعہ ر	تاریخ ادبیات ایران
	(۵) اخلاق جلالی (بحث نغمہ خارج)		(۴) چہار مقالہ معہ مقدمہ و فرہنگ مرتبہ خواجہ
	مطبوعہ نولکشور اعلیٰ	۸ر	فیروز حسن ایم۔ اے۔ کاغذ سفید ڈمی
	رموز حکمت از مولوی محمد شریف	۱۰ر	انشائے ابوالفضل دفتر اول وسوم
	درۃ الاخبار مطبوعہ یونیورسٹی	۱ روپیہ ۸ر	حاجی بابا اصفہانی کاغذ سفید ڈمی اعلیٰ
	کشف المحجوب (تا اختتام احوال صوفیہ کرام)	۱۰ر	سیاحت نامہ ابراہیم بیگ جلد دوم
	اعلیٰ خوشخط کاغذ سفید ڈمی کامل کتاب	۳ر	وکلا کے مرافعہ
	(۶) ترجمہ اردو سے فارسی میں اور جواب	۱۲ر	(۳) انتخاب قصائد قاآنی جدید الطبع
	مضمون فارسی		غزلیات نظیری معہ حالات (تا ردیف م)
	اختیاری مضمون اردو	۱۲ر	کامل کتاب
	(۱) روح الاجتماع	۱۰ر	دیوان فرخی حصہ داخل نصاب
	افادات مہدی		رباعیات باباطاہر معہ ترجمہ وحالات از
	انتخاب مخزن حصہ دوم (نثر)	۳ر	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ
		۱۰ر	منطق الطیر

خلاصہ تاریخ ادبیات ایران

تاریخ ادبیات ایران

یہ کتاب ایک مشہور انگریز پروفیسر براؤن نے بڑی تحقیقات کے بعد انگریزی زبان میں لکھی پروفیسر موصوف اپنے زمانہ کے مشرقی علوم و فنون کے دلدادہ اور زبردست محقق کے علاوہ عربی - ترکی - اور فارسی کے عالم بھی تھے - یہ کتاب تاریخ و تنقید کی ایران کی ادبیات پر بہترین کتاب ہے ۔ اس میں فارسی زبان کا آغاز نشوونما ترقی و تنزل - ادبا اور شعرا ایران کے حالات وضاحت سے درج ہیں اس کتاب کا مطالعہ زبان کی ترقی کے خیالات کے اسباب زمانہ کا اثر اصول تنقید میں رہبری کا کام دیتا ہے - نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے - کہ کوئی زبان کیونکر تعلیمی نشوونما پاتی ہے ۔ اور اس زبان کے علم و ادب پر ماحول - سوسائٹی تاریخی حالات و انقلابات کے کیا اثرات پڑتے ہیں ۔ زبانیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں - ادیب ... کی خصوصیات اور حسن و قبیح کو کن اصولوں سے پرکھا جا سکتا ہے -

پروفیسر براؤن مصنف ادبیات ایران کے سوانح حیات پر ایک طائرانہ نظر

پروفیسر براؤن اپنے زمانہ کے زبردست محقق علوم مشرقیہ بالخصوص فارسی زبان کے دلدادہ اور عربی ترکی و فارسی کے عالم بھی تھے - یہی نہیں بلکہ انہیں ایران اور ایرانیوں اور انکی زبان سے ایک قسم کا عشق تھا - انہوں نے اپنی تحریر و تقریر اور اثر و رسوخ سے حکومت ایران کی

حمایت اور اہلِ ایران کے حقوق کی تائید میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان کی تصنیفات کا بہت بڑا حصہ ایران اور فارسی زبان کے متعلق ہے۔ تاریخ ادبیات ایران اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

جن لوگوں کا پروفیسر موصوف سے کبھی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کا قول ہے۔ کہ وہ ان کی بذلہ سنجی۔ خوش بیانی اور علمی شوق کے سبب حد درجہ [illegible] ہیں۔ مولوی غلام یزدانی صاحب ایم۔ اے۔ ناظم محکمہ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن ان کی ملاقات کا حسب ذیل خاکہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں خلاصتہً درج ذیل ہے۔

پروفیسر براؤن اگرچہ دیکھنے میں چھوٹے سے قد کے بوڑھے تھے۔ لیکن جب بات کرتے تو چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ اور باتیں کرتے تو گویا پھول جھڑتے۔ طبیعت میں انکساری حلم۔ اور فیاضی تھی۔ صاحب علم اور قدردانِ علوم کے بڑے دلدادہ تھے۔ اور خصوصیت سے ہندوستانی اہلِ علم کے لیے تو مہمانی کا دروازہ کھلا رکھتے۔ جب انہیں میرے آنے کا کیمبرج میں علم ہوا۔ تو ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب [illegible] سٹیشن سے سیدھا براؤن صاحب نے میرے لے کر آنے کو اور مہمانی قبول کرنے کے لئے بھیجا۔

جب میں آیا۔ تو باوجود ان کی (براؤن کی) صحت درست نہ تھی۔ گھر میں بیوی بیمار تھی۔ مسودوں کے بستے دکھاتے ہوئے کہا۔ کہ خدا اس ذمہ داری کو پورا کر دے۔ یعنی مسودات چھپ جائیں۔ اس زمانہ میں پروفیسر براؤن کی بینائی کمزور ہو چکی تھی اور اختلاج زوروں پر تھا۔

ایرانیوں سے محبت کا زندہ ثبوت! ایرانی شعراء اور اہلِ علم کے ساتھ ان کی [illegible] کا ایک بڑا پرندا اور سبق آموز نمونہ یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ

جب کہ سر ولزلی ہیگ مشہد میں قونصل جنرل تھے۔ کسی شاعر نے جسے حکومتِ ایران کی طرف سے بغاوت اور ملک سے غداری کے جرم میں سزائے قید ہو چکی تھی۔ جس میں حکومت ایران حق بجانب تھی۔ شاعر نے براؤن سے اپنی خلاصی کرانے کے لیئے بطور سفارش اور مدد کے لیئے درخواست بھیجی جس پر براؤن نے قونصل جنرل کو لکھا۔ کہ یہ سمجھو کہ براؤن کا میٹا فیہ ہو گیا ہے جسطرح ہوسکے اُس شاعر کو رہائی دلواؤ۔ چنانچہ انہی کی کوششوں سے ایرانی محبوس شاعر رہا ہوا۔

انجمن ترقی اردو نے تاریخ ادبیات ایران کے انگریزی ترجمہ کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے پروفیسر موصوف سے اجازت طلب کی تو پروفیسر نے اس کے پبلشر سے اجازت دلاتے ہوئے انجمن کا شکریہ ادا کیا اور اس کے اردو ترجمہ کی اشاعت سے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ اسکے علاوہ وہ بڑے فیاض تھے۔ یورپ کے دوسرے علماء و مصنفین کے برعکس اپنی تصانیفات کو اہل علم اور علمی انجمنوں کو مفت عطا کرتے تھے۔ الغرض ان کی کوششوں سے مشرقی علوم میں حیرت انگیز انکشافات اور ترقی کا سہرا انہی کے سر ہے۔

باب اوّل

موضوع کتاب تاریخ ادبیات ایران سے اہل ایران اور ان کے کمالات علمی کا اظہار مقصود ہے۔ اس میں ایران کے سلاطین یا شاہی خاندانوں کی تاریخ نہیں ہے۔ اور نہ ہی خالص فارسی ادب کی تاریخ ہے۔ اور اس میں غیر ایرانی مصنفین و شعراء جو فارسی کے مصنف یا شاعر تھے کا تذکرہ ہے۔ بلکہ اس میں ایرانیوں کی طبع زاد تصنیفات پر بحث کی گئی ہے۔

گو وہ غیر زبانوں ہی میں ہوں

نیز اس کتاب میں ان ہندوستانی مصنفین کو بھی نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے کثرت سے فارسی زبان میں کتابیں لکھیں، کیونکہ ان کی تصنیفات ایرانیوں کے دل و دماغ کا صحیح عکس نہیں ہیں۔ ترکوں نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فارسی زبان میں کیا ہے مگر اس کتاب میں ان پر بھی قطعاً بحث نہیں کی گئی ہے۔

اسلامی فتوحات اور زبان فارسی کا تنزل

اسلام کی برق رفتار فتوحات نے دنیا کی زبانوں اور تمدن پر اپنے گہرے اثرات کئے۔ ان میں سے خصوصیت سے ایران ہے۔ مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کر لیا۔ اہل ایران اسلامی فتوحات کے آغاز یعنی کچھ اوپر بارہ سو برس سے اپنی مادری زبان کو تقریباً بھلا بیٹھے۔ فارسی کی جگہ عربی نے لے لی اور بعض علوم مثلاً فلسفہ اور دینیات کیلئے عربی ہی سہارا بنی تھی اور یہی نتیجہ تھا [illegible] ماسوا ایران کے آتش پرستوں کے کہ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑنا پسند کیا اور اسلامی فتوحات کے باعث ملک چھوڑنا قبول کر لیا۔ عربی زبان کے تاثرات قبول نہ کئے لیکن باقی تمام ملک ایران نے کہ اب ان کا مذہب اسلام تھا۔ انکی علمی زبان فارسی کی بجائے عربی ہو گئی۔

لفظ پرشین - ایرانی یا فارسی کی تشریح

اہل ایران اپنے آپ کو ایرانی اور اپنے ملک کو ایران کہتے ہیں۔ دو پرشینز، خطہ پارس جو یونانیوں میں پرسس ہیں، اور اس وقت فارس کہلاتا ہے۔ ایران کے متعدد صوبوں میں سے صرف ایک صوبے کا نام ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس صوبے کا ایرانی نام فارس خود ملک اور اہل ملک پر جنہیں پرشین کہا جاتا ہے۔ اطلاق ہونے لگا۔

قدیم صوبہ فارس میں دو مشہور خاندانوں کے باعث جو ہخا منشی اور ساسانی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

کے ناموں سے موسوم ہیں۔ لفظ فارسی یا پرشین انہی کے باعث مشہور ہوا۔

ایران کے یہ دونوں شاہی خاندان بڑے زبردست تھے۔ ان کے نام کی دھوم اور اسلحہ کی دھاک ایشیا سے نکلکر یوروپ میں بھی جمی ہوئی تھی۔ موجودہ ایران کا نام فارس جو پہلے ایک صوبے کا نام تھا۔ اب یہ نام پورے ملک پر حاوی ہے جس طرح ملک انگلینڈ فرقہ اینگل کے نام سے انگلینڈ موسوم ہوا۔ اسی طرح ملک ایران کے قدیم اضلاع پارتھیا . . . . . . میڈیا اور فارس کے باشندوں کے میل ملاپ سے ایک متحدہ قوم کا نام ایرانی یا فارسی پڑ گیا۔ اور جب ان تینوں اضلاع کے باہمی میل جول سے مختلف بولیاں باہم گھل مل گئیں۔ تو فارسی زبان کا آغاز ہوا۔ چنانچہ اسلیہ

(بقیہ صفحہ ۲ حاشیہ) لفظ ایران - اے ران کا مرکب ہے جو سنسکرت اور پارسی مذہبی کتاب اوستا میں ہے جسکا مفہوم "پرشین" کے معنوں سے زیادہ وسیع ہے۔ بلحاظ معنے پرشین کا لفظ "موجودہ ایران" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قدیم معنوی لحاظ سے ایران کی قدیمی قوموں (بلخ یا باختر، سغدیانہ اور خوارزم کے علاقے شامل تھے۔ اور کرد و افغان اور بن و بکٹرین قومیں ایرانی کہلاتی تھیں۔ عربی زبان میں چونکہ پ غیر مستعمل ہے۔ اور اس کا کام ف سے لیا جاتا ہے۔ اس لئے لفظ پارس اور اسپہان کو فارس اور اصفہان سے معرب (عربی بنانا) بنا لیا گیا۔

(۳) صفت فارسی یا پارسی سے مراد موجودہ ایران کی قومی اور سرکاری زبان فارسی ہے۔ جو ملک کے طول و عرض میں بولی اور لکھی پڑھی جاتی ہے۔ اگر صفت فارسی شخص کے ساتھ استعمال کیجیئے تو اس سے مراد ایران یا فارس کے باشندے سے ہوگی۔ ہندوستان میں پارسی آتش پرست کو کہتے ہیں۔ جو ایران کے قدیم مذہب زرتشت کے پیرو تھے۔ (مصنف)

کے زمانہ میں اس ملک کی زبان ایک ہو چکی تھی۔ جیسے آجکل فارسی یا پرشین کہتے ہیں۔ اس حساب سے ہماری فارسی زبان فارس کی اس زبان سے پیدا ہوئی جسے دارا اور ساسانی رس بولتے تھے۔ جس میں ان مذکورہ بادشاہوں کے حکم سے نقش رستم (رستم ایران کا مشہور پہلوان گذرا ہے) کی چٹانوں اور استخر کے شاہی محلوں کی دیواروں اور ستونوں پر شاہی اعلانات کندہ کیے گئے (ان بادشاہوں نے ۵۵۰ قبل از مسیح تا ۳۳۰ قبل از مسیح حکومت کی، آخر دارا شاہ ایران کو اسکندر اعظم یونانی نے فیصلہ کن شکست دے کر ایران پر قبضہ کر لیا۔ ان کے حالات انہی کتبوں سے معلوم ہو سکتے ہیں) کہتے ہیں یہ کتبے پڑھنے میں اسقدر صاف ہیں۔ کہ ہم بآسانی اس امر کا پتہ چلا سکتے ہیں۔ کہ آج سے چوبیس سو سال پہلے ایران کی زبان کیا تھی۔ فارسی زبان کے کتبے چونکہ نہایت قدیم زمانہ کے ہیں۔ اس لیے اُن کا تسلسل ٹوٹا ہوا ہے۔

کتبوں کے تسلسل کی شکستگی کی وجوہات

ان کتبوں کا تسلسل جو ہخامنشی کے عہد سے شروع ہو کر دارا کے عہد تک ختم ہوتا ہے ٹوٹا ہوا ہے۔

اسکی وجہ سکندر اعظم کا ایران پر زبردست حملہ اور پارتھیوں کا زوال اور ساسانی دور کا آغاز ہے۔ اس ٹوٹے ہوئے تسلسل کی درمیانی مدت تقریباً ۵۰۰ سال یعنی ۳۰۰ ق م تا ۲۲۶ء کا زمانہ ہے۔ دوسرا زمانہ جس میں کتبات کا سلسلہ بالکل درہم برہم ہے۔ وہ عربوں کا حملہ اور مسلمانوں کی فتح ایران ہے جس سے ساسانی حکومت کا خاتمہ اور آتش پرست مذہب (زرتشت کا دین) کی بربادی ہو گئی۔ اگرچہ ایران میں عربوں کا قیام تھوڑا عرصہ رہا۔ لیکن انہوں نے ایران اور ایرانیوں کے عقائد۔ خیالات۔ زبان اور تمدن پر

جسقدر گہرا اثر ڈالا کہ وہ یونانی اثرات سے کہیں زیادہ پائیدار۔ موثر اور مستقل تھا۔ اس بارے میں مشہور محقق اور مصنف نولدیکی کا قول ہے "یونان کا اثر ایرانی معاشرت کی صرف سطح پر لوٹتا رہا۔ لیکن اسلام کا کلمۂ توحید اور عربوں کا تمدن ایران کی رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

ایران پر عربوں کا تسلط اور ان کا دورِ حکومت سنہ ۱۲۵۸ء تک رہا۔ جبکہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کی سرکردگی میں مغلوں نے بغداد کو تاراج اور خلافت عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے چراغ حیات کو گل کر کے ختم کر دیا۔

عربوں کی حقیقی قوت سنہ ۱۲۵۸ء سے پیشتر ہی ایرانی اور ترک یا جگندار امراء کے ہاتھوں منقلب ہو چکی تھی۔ اور خلیفہ برائے نام رہ گیا تھا۔ خلیفہ کی سیاسی طاقت کم ہو چکی تھی۔ اگر کچھ تھا۔ تو وہ اسکی مذہبی حیثیت سے اقتدار تھا۔ ادھر ایران کے صوبجات خلیفہ کے دست اقتدار سے نکل گئے۔ ادھر فارسی زبان نے عربی کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا۔ ایران کے جن امراء اور خاندانوں نے خلیفہ کے اقتدار سے آزاد ہو کر ایران میں اپنی خود مختاری کا ڈنکا بجایا۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

سنہ ۸۶۷ء میں خاندان صفاریہ سنہ ۹۰۰ء میں سامانیہ سنہ ۸۲۰ء میں خاندان طاہریہ سنہ ۹۳۲ء میں بویہ اور یکے بعد دیگرے غزنویہ اور سلجوقیہ خاندانوں نے ایران پر تسلط جما کر اپنی آزادی کا علم لہرایا۔ ان کے عہد میں فارسی زبان نے از سر نو زندگی پا کر ترقی حاصل کی۔ فارسی زبان کی ترقی کو تین دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

دور ہخامنشی اور قدیم فارسی۔ ۵۵۰ تا ۳۳۰ قبل از مسیح۔ اس دور میں صرف

پیکانی کتبات ہی ہیں۔ جن پر احکامات شاہی تا عالی ثبات سلطانی کندہ ہیں۔ یہ کتبے طویل العبارت ہیں۔ جو ... ۴ الفاظ پر مشتمل ہیں۔ مگر رسم الخط اور طرز بیان میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ اس دور کی زبان قدیم فارسی کہلاتی ہے۔

دور ساسانی ۲۲۶ تا ۶۵۲ ء

اس دور کی فارسی زبان کا پتہ کتبوں اور قدیمی یادگاروں سے مہروں نگینوں جواہرات پر کندہ شدہ الفاظ سکوں اور دیگر مرقومات سے چلتا ہے۔ یہ تحریرات آداب عبادت اور مذہبی ہدایات پر مشتمل ہیں۔ جو زرتشت مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر فارسی جدید کو عربی ترکیبوں والفاظ مزحزوارلیش یازوارش نام کے عجیب وغریب رسم الخط سے الگ کر لیا جائے تو اسکی صورت فارسی جدید کا قدیم صورت سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اسے پہلوی یا بعض اوقات فارسی متوسط کے نام سے پکارتے ہیں۔

لفظ پہلوی کی ماہیت

لفظ پہلوی بہ نسبت زبان کے طرز کتابت رسم الخط کے لئے زیادہ موزوں سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ پہلوی طرز تحریر عربوں کی فتح ایران کے بعد ایک صدی سے زیادہ تک ابتدائی خلفا نیز طبرستان کے خودمختار حاکموں کے سکوں میں رائج رہی۔ اسکے بعد کم از کم سو سال تک ایران کے آتش پرست اسی زبان میں کتابیں لکھتے رہے۔

اس رسم الخط کی آخری تصنیف نویں صدی عیسوی سے آگے نہیں جاتی جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ پہلوی رسم الخط یا زبان کو متروک ہوئے ایک ہزار سال کا زمانہ گذرا ہے۔

فارسی جدید | فارسی جدید کا آغاز سنہ ۹ء ، دور اسلامی سے شروع ہوتا ہے۔ عربوں کی فتح ایران اور ایرانیوں کے قبول اسلام کے بعد ملک میں فارسی زبان دوبارہ مروج ہوئی۔ لیکن اس دور میں قدیم فارسی نے عربی رسم الخط کو اختیار کیا جس کا باعث تبادلۂ مذہب تھا۔ ایشیائی ممالک میں مذہب کے ساتھ ملکی زبان کو وابستہ نہیں سمجھا جاتا۔ شام کے عیسائیوں کی زبان اگرچہ عربی ہے۔ لیکن اپنی تحریروں میں سریانی حروف استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح یونانی اور آرمینی باشندے جنکی مادری زبان ترکی ہے۔ لیکن وہ ترکی لکھتے وقت یونانی اور آرمینی رسم الخط کو اختیار کرتے ہیں۔ ایران کے یہودی - فارسی تصنیفات میں عبرانی رسم الخط کو اختیار کرتے ہیں۔ مگر زبان فارسی ہی ہوتی ہے۔

ہسپانیہ کے اور جو عربی زبان کو اپنے ذہنوں سے محو کر چکے تھے۔ ہسپانوی زبان میں تصنیفات و دیگر تحریرات کو عربی رسم الخط کو ہی کام میں لاتے ہیں۔

پہلوی رسم الخط کے متروک ہونے اور عربی رسم الخط کی کامیابی کے اسباب | ایرانی - زرتشتی یا آتش پرست جو داخل اسلام ہوا پہلوی خط کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ کیونکہ نہ صرف اس سے کفر کی بو آتی تھی۔ بلکہ یہ خط حد درجہ مشکل اور مبہم تھا۔

(۲) جس زمانہ میں پہلوی خط کا رواج تھا۔ عام لوگ لکھنے پڑھنے سے محروم تھے۔ تعلیم عام نہ تھی - صرف پیشہ ور کاتب - مذہبی رہنما و پیشوا ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(۳) عربی زبان لکھنے پڑھنے میں بمقابلہ پہلوی زبان آسان تھی مسلمانوں

کی مذہبی زبان ہونے کے باعث اسکی تعلیم باعث ثواب ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کی زبان بھی عربی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو عربی زبان سیکھنی لازمی ہے۔

(۲) پہلوی میں ا اور ہ د اور ل کے لئے ایک ہی حروف ہیں۔ لیکن عربی کے لئے سب الگ الگ پہلوی زبان میں اس زمانہ کے تین تاریخی ناول یا افسانے جو زمانہ کی دستبرد سے بچے دنیا میں موجود ہیں۔ ایک کا نام ارتیخ شیر یا پکان یعنی اردشیر دا ایران کا نامور بادشاہ ابن بابک کے کارنامون کی کتاب جو ساسانی خاندان کا بانی ہوا ہے۔

اردشیر نے کتابت شہواری اور دیگر سپاہیانہ کاموں میں کمالات حاصل کرکے ملک بھر میں شہرت حاصل کرلی۔ مشہور فاضل طبری (ابوجعفر محمد بن جریر۔ طبرستان کا باشندہ ۸۳۹ء پیدائش اور ۹۲۳ء میں وفات) کی تاریخ میں مذکور ہے۔ کہ اردشیر کے بیٹے (اور وارث تخت جانشین) نے ایک بوڑھے شخص ہیل نامی کو پوچھا۔ کہ میں ایک نیا شہر بسانا چاہتا ہوں کیا میں کامیاب ہوسکتا ہوں۔ بوڑھے نے کہا۔ اگر میں پڑھنا لکھنا سیکھ سکتا ہوں۔ تو تو بھی شہر بسا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں لکھنا پڑھنا نہایت مشکل تھا۔

جدید فارسی ادب کا آغاز: نو مسلم ایرانی اپنی یادداشتیں عربی حروف میں لکھ کر محفوظ رکھ لیتے۔ اس کے بعد شعائر اسلامی کے مطابق چھوٹے چھوٹے رسالے مرتب ہوتے گئے۔

فارسی نثر: زمانہ قدیم کے عرب ادیبوں کی تحریروں میں جابجا فارسی اقوال اور مختصر بیانات ملتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ساسانیوں کے آخری اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں دہی فارسی جلوہ گر نظر آتی ہے

جو فارسی ادبیات جدید کی تحریروں میں پائی جاتی ہے -

فارسی تحریروں کے سب سے قدیم نمونے! ترجمہ تاریخ طبری - اسے وزیر بلعمی نے ۹۶۳ء میں اپنے بادشاہ منصور اول سامانی کے لئے عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا -

(۲) کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ - ابو منصور موفق بن علی - یہ کتاب علم و ادب کے محسن منصور اول کے واسطے لکھی گئی تھی - اس کا ایک نایاب علمی نسخہ جو ۱۰۵۵ء میں نقل کیا گیا تھا - وائنا میں موجود ہے -

تفسیر القرآن جلد دوم یہ کتاب بھی اسی زمانہ کی ہے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے -

فارسی نظم کی ابتدا! عربی کی مانند فارسی نظم کی ابتدا اسلام سے بہت پہلے ہو چکی تھی - متقدمین تذکرہ نویسوں اور بالخصوص دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ بہرام گور ساسانی (۴۲۰ تا ۴۳۸ ق - م) اور اسکی معشوقہ دل آرام دونوں نے ملک فارسی کا پہلا شعر ایجاد کیا - یا وہ پہلا شعر ہے - جو خسرو پرویز کی محبوبہ شیریں . . . .

(۶۲۸ تا ۵۹۰ ق م) کے محل (قصر شیریں) کی دیواروں پر فارسی شعر کندہ تھا - جو دسویں صدی عیسوی تک عضد الدولہ کے عہد میں بخوبی پڑھا جا سکتا تھا - ایک اور روایت کے مطابق فارسی نظم کی پہلی تصنیف وامق و عذرا کی دلچسپ داستان ہے - جسے دانشمندان عجم نے نوشیرواں (شاہ ایران) کے لئے لکھ کر اس کے نام معنون کیا - کہتے ہیں کہ جب کتاب (۵۸۹ - ۵۳۱ ق م) امیر عبداللہ بن طاہر (متوفی ۲۳۰ھ) کے سامنے پیش کی گئی - اس نے حکم دیا - کہ چونکہ یہ تصنیف کسی آتش پرست کی ہے -

اور ہمارے لئے مردود ہے۔ اسلئے اسے تلف کردیا جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے صرف قرآن اور حدیث ہی کافی ہے۔

بعض کے نزدیک فارسی کی سب سے پہلی نظم وہ ہے۔ جو عباس مروزی نے مامون رشید کی مدح میں بطور قصیدہ پیش کی تھی۔ جس کی محمد بن عوفی بھی تائید کرتا ہے۔ ان سب بیانات کے قطع نظر خراسان میں فارسی ادب بالخصوص نظم کو ۹۱۳ء سے ۹۴۲ء میں نصر دوم ساسانی شہزادے کے زمانہ میں کافی فروغ حاصل ہوچکا تھا۔ آج فارسی نظم و نثر میں اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ اردو کی مشہور ایرانی شاعر کا کلام ایک ایرانی کیلئے ایسا ہی آسان ہے جیسا شکسپیر کا کلام ایک انگریز کے لئے۔

مشہور مطرب بار بد ساسانی ۵۹۰ء تا ۶۲۸ء

فارسی نظم کا آغاز بار بد مشہور ایرانی گوئیے کے زمانہ میں ہوچکا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ بار بد کا نام اکثر تذکروں اور مشہور روایتوں میں آچکا ہے۔

بار بد خسرو پرویز شہنشاہ ایران ۵۹۰ء تا ۶۲۸ء کا مشہور درباری گویّا تھا۔ کہتے ہیں۔ بار بد کو حسن ادا میں کمال حاصل تھا جب پرویز کی خدمت میں کسی درباری کو کوئی عرض معروض کرنی ہوتی۔ تو بار بد کو ہی درمیان میں وسیلہ بنایا جاتا تھا۔ کیونکہ شہنشاہ کے جاہ و حشم اور دبدبہ سے درباریوں کو شہنشاہ کے حضور میں زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور بار بد اس بات کو گیت کے پردہ میں بڑی خوبی سے شہنشاہ کے گوش گذار کردیتا تھا۔

روایت ہے۔ کہ خسرو پرویز کا ایک نہایت حسین ڈبیل وسیاہ گھوڑا شبدیز نامی تھا جس سے اسے بیحد پیار بلکہ عشق تھا۔ بادشاہ نے عہد کر رکھا

تھا کہ اگر کوئی شخص مجھے اسکی موت کی خبر سنائیگا۔ تو اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اتفاق سے گھوڑا مر گیا۔ اب کسی میں جرات نہ تھی۔ کہ اس کی موت کی اطلاع شہنشاہ سے کرے۔ چنانچہ میراپ نے اس خبر کو بادشاہ تک پہنچانے کے لئے باربد سے بمنت التجا کی۔ باربد نے نہایت دلربانہ انداز اور اشاروں میں ہی بادشاہ کو گھوڑے کی موت کی اطلاع دی۔ بادشاہ تاڑ گیا۔ اس نے بدحواس ہو کر کہا۔ "تجھ پر غضب ہے۔ شبدیز مر گیا؟" باربد نے جواب دیا یہ کلمات حضور ہی کے ہیں۔ اس طریق سے باربد نے پرویز کے عہد کو توڑا اور اپنی جان بچائی۔

رودکی رودکی دسویں صدی ہجری کے آغاز میں حکومت سامانیہ کے دور کا مشہور درباری شاعر گذرا ہے۔ جس کے حالات زندگی مختلف تذکروں میں ملتے ہیں۔ اور ہر ایک تذکرہ نویس نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ رودکی کا ممتاز ترین کارنامہ وہ ترانہ ہے۔ جسے اس نے امیر نصر بن احمد سامانی کے سامنے برجستہ دفی البدیع لکھکر پیش کیا تھا۔

روایت ہے کہ امیر موصوف جس کا وطن بخارا تھا۔ چار سال سے ہرات اور اسکے نواح میں شاہانہ ملک کے جشن لوٹ رہا۔ لیکن اسکی سپاہ اپنے وطن جانے کے لئے بیقرار تھی۔ نصر کی سپاہ نے رودکی سے انعام مقرر کرکے کہا کہ وہ بادشاہ کو واپس وطن جانے کے لیے ترغیب دے۔ رودکی نے سادہ مگر پر اثر اشعار کے ذریعہ شاہ کو بخارا مراجعت کے لئے ابھارا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب رودکی اپنے آخری اشعار پر پہنچا۔ تو بادشاہ کا تخیل بھڑک اٹھا اور وہ فوراً ہی تخت سے نیچے اتر کر بغیر سوار ہے گھوڑا۔ کے بخارا کی جانب سر پٹ روانہ ہو گیا۔ خدام دو فرسنگ تک بادشاہ کے موزہ

لیے پیچھے بھاگتے گئے - بادشاہ نے موزے پھینک گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا اور بخارا جا کر ہی آرام لیا - نمونہ کے چند اشعار یہ ہیں -

شاہ مست و بخارا آسماں ۔۔۔ ماہ سوئے آسمان آید ہمے

شاہ سرو ست و بخارا بوستان ۔۔۔ سرو سوئے بوستان آید ہمے

اگرچہ بعض شعرا نے اِن سادہ اشعار پر بادشاہ کے پھڑک اٹھنے پر حیرت و مذمت کا اظہار کیا ہے - مگر مشہور شاعر نظامی عروضی سمرقندی نے اِن اشعار کی خوب تعریف کی ہے -

دولت میڈیا | تاجداران ایران کے سب سے قدیم خاندان اہل میڈیا تھے - جو ہخامنشی خاندان سے شان و شوکت و قوت و اقتدار میں کسی طرح کم نہ تھے - موجودہ خیال کے مطابق اس میڈیا - اہل ایران ہی تھے - وہ مغربی ایران کے باشندے تھے - جن کا مرکز اور پایہ تخت اکبتانہ یا ہگمتانہ موجودہ ہمدان تھے - حکومت میڈیا کا حدود اردلیہ اذربائیجان کے پہاڑوں سے شروع ہو کر جنوب کی طرف خوزستان میں اور مشرق میں جبل طاق سے طہران اور اصفہان تک جاتا تھا لیکن جس سرزمین کو میڈیا کہتے ہیں - وہاں یہ نام آج ناپید ہے - مگر ڈے - لے گارڈ اور اولیس ہارزل کی تحقیقات کے مطابق مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ تک بھی (قدیم ایرانی مادہ) کی شکل میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا - اور شہروں کے ناموں کے ساتھ استعمال ہوتا رہا جیسے ماکوفہ - ماہ بصرہ وغیرہ وغیرہ بدقسمتی سے اہل میڈیا نے اپنے کارناموں کا کوئی تحریری سرمایہ یا اسی قسم کی یادگار نہ چھوڑی - بلکہ محض دوسری اقوام کی بادشاہتوں اور تاریخ ہی کے ذریعہ پتہ چلتا ہے

آسوری حوالہ کے مطابق تلگست پلاسر کے ایک کتبہ (۱۱۰۰ ق م)

میں میڈیا کا پایہ تخت ہمدان (اکباتانہ) درج ہے

ڈیلوسیس + ہروڈوٹس کے بیان کے مطابق سب سے پہلی قوم جس نے ۵۲ برس کی محکومیت کے بعد آسوری حکومت سے آزادی حاصل کی۔ وہ اہل میڈیا ہی تھے۔ اور یونانی اور یہودی مورخین نے بھی اہل میڈیا کی حکومت کی تائید کی ہے۔

اہل میڈیا کی زبان۔ موجودہ خیالات کے مطابق اہل ہند یا ایرانی النسل تھے۔ ان کی زبان بھی وہی تھی۔ جو فارسی قدیم سے بہت سی مشابہت رکھتی ہے۔

اوستا کی زبان جو ژند کہلاتی ہے۔ میڈیا کی زبان یا میڈی زبان ہے اپنے بیان کی تائید میں ڈارمسٹیٹر ثبوت پیش کرتا ہوا لکھتا ہے۔ مذہب زرتشت کی ترقی وغیرہ کا مرکز میڈیا یا آذربائیجان یارسے کا علاقہ تھا مصنف کتاب ہذا بھی آذربائیجان کو صحیح ترسمجھتا ہے۔

روایات ملکی کی رو سے اگر اوستا مجوسیوں (آتش پرست) کی تصنیف ہے۔ تو ژند میڈیا کی قدیمی زبان کا نام ہے۔

آپرٹ کی رائے (ایک محقق کا نام) آپرٹ کا قول ہے۔ کہ اہل میڈیا تورانی تھے ہخامنشی دور کے کتبے تین زبانوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ جس میں پہلی زبان فارسی قدیم۔ تیسری آسوری۔ اور دوسری کی بابت آپرٹ کا قول ہے۔ کہ وہ میڈی ہے۔ اسے کسی آریائی زبان سے قطعاً تعلق نہیں۔ بلکہ وہ تورانی ہے۔ جس کے ثبوت میں وہ حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے۔ کہ

میڈیا (مادہ) کی تشریح مادہ سے کرتا ہے۔ جس کے معنے ملک کے ہیں۔

تاریخ ہیروڈوٹس میں پہلے میڈوی بادشاہ کا نام دو جدا جدا لفظوں
شیدت دوسرا - اکرو = قانون) سے مرکب ہے۔ جسکی فارسی و آریائی صورت
غالباً دواحیکا) تھی - جسکے معنی بعض ممالک کو دوبارہ متخرکر لیے کے ہیں - اس
مرکب لفظ کا مترادف فارسی یا آریائی جسے ٹی سیانے استعمال کیا ہے - وہ
آرتاتیوس ہے - جو فارسی کے ارتہ سے مشتق ہے - یعنی قانون اور دوبارہ متخر
کرنیوالا ہے - ہیروڈوٹس وغیرہ کے بیان کے مطابق ژند اوستا کا مقام تصنیف
اور ژند کی پیدائش گاہ میڈیا کا ملک ہے۔

محققین کے منقو دلائل اور تحقیقات کی بنا پر اس امر میں مطلقاً شبہ نہیں
رہا کہ زرتشت کی قدیم آسمانی کتاب ژند اوستا کی زبان قدیم ایرانی،
فارسی ہے - اہل میڈیا کی اور ژند اوستا کی زبانیں یکساں ہیں۔

قدیم ایران کا مذہب اور زردراشٹ (زرتشت)

کافی بحث و تمحیص و تحقیق و تنقید کے بعد بھی اس بات کا پورے طور
پر پتہ نہیں چل سکتا - کہ وہ بخامنشی کے لوگ جو میڈیوں کے جانشین ہوئے تھے -
زرتشت کے طریق مذہب کے پابند تھے - یا اور کوئی مذہب رکھتے تھے -
خود زرتشت کی بابت کہ وہ کون تھے - کہاں سے آئے - ان کا زمانہ بعض
کو ان کے تاریخی وجود سے ہی انکار ہے - بعض اس زمانہ کو ایک زمانہ قدیم ترین
جو ۲ ہزار سال سے بھی زیادہ پہلے کا زمانہ کہلاتا ہے - بعض زرتشت کی پیدائش
کو باختر اور بعض آذربائیجان کہتے ہیں۔

ڈاکٹر اسپیگل نے اوستا کو بہت قریبی زمانہ کی تصنیف قرار دیا ہے جو
کسی طرح صحیح نہیں - درحقیقت ان تحقیقات کی راہ میں مذہبی تعصب
کار فرما ہے - آریہ نسل شاہ سے نہ تو سامی اور یہودیوں کی عداوت گوارا کر سکتے

ہیں۔ نہ انکی برتری اور افضلیت کو۔ وہ حضرت موسےٰ کو گھٹا کر زرتشت کو بڑھانا چاہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں موجودہ دور کے محققین اس حقیقت کے انکشاف کیلئے ایران قدیم کے حالات کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اُن میں سے سب سے زیادہ قابل اعتبار اور معقول و ہوشیار محقق۔ اے۔ وی۔ ولیز جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی ہے۔ جیکبسن جرمنون کے خاصہ کے مطابق تجربہ و علم و فضل میں اور صفائی استدلال میں فرانسیسی علوم اور انصاف پسندی اور قوت فیصلہ میں اینگلو سیکسن قوم کا مایہ ناز ہے۔

اسکے بلند پایہ مضامین امریکن اور انٹیل سوسائٹی کی روئداد اور امریکہ کے رسالہ "لسانیات" میں شائع ہوئے ہیں جس میں متذکرالصدر مشکل اور اہم مسائل کے زرتشت مذہب کی تاریخ و عقائد پر ایک کامیاب بحث کے بعد ایک قابل دید کتاب قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر " (زرتشت) لکھی جو ۱۸۹۹ء میں نیویارک میں چھپی۔

اسمیں پروفیسر مذکور نے ذیل کے چند اہم نتائج بیان کرتے ہوئے یوں لکھا ہے

(۱) زرتشت واقعی فرقہ مجوسی (آتش پرست) میں سے میڈی قوم کا ایک فرزند اور تاریخی انسان تھا۔

(۲) زرتشت کا زمانہ مسیح سے تقریباً ساڑھے چھ سو سال پہلے کا تھا اور اس وقت میڈیا کی سلطنت قائم تھی۔ ہخامنشی خاندان مٹ چکا تھا زرتشت نے ستتر (۷۷) برس کی عمر میں ۵۸۳ ق م میں وفات پائی

(۳) زرتشت کا وطن مغربی ایران یعنی آذربائیجان یا میڈیا تھا لیکن

پہلی اور عظیم الشان کامیابی انکو باختر موجودہ بلخ میں ہوئی۔ جہاں انہوں نے اپنے مذہب کو شاہ وشتاسپہ (گشتاسپ) کی خدمت میں پیش کیا۔

(۴) گاتھا۔ جو مسلمہ طور پر اوستا کا سب سے پرانا حصہ ہے۔ ان کی باتیں تعلیم وتلقین کی اہم باتوں پر مشتمل ہے۔

(۵) باختر سے ان کا مذہب بڑی سرعت سے تمام ایران میں پھیل گیا۔ لیکن اس امر کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ زرتشت کا قدم فارس میں کب آیا اور وہاں بادشاہاں اور رعایا میں کب اور کس سن میں اپنے مذہب کو پھیلایا۔

ان دلائل کی شہادت اور فتوحات اسلامی کے بعد جو روایات ملک ایران میں پھیلی ہوئی تھیں صحیح قرار دیتی ہیں۔ اگرچہ اوستا کی زبان شمال مشرقی ایران یعنی باختر کی زبان ہے۔ مگر جیسا کہ پارسی روایات سے ثابت ہے باختر میں زرتشت کے اصول وعقائد میڈیا سے آئے اور انکے لانے والے آتھروں یا آذربائیجان کے آتش پرست پجاری تھے۔ جو بلاشبہ شمال مشرقی صحرائی مبلغین تھے۔ اور ان کا وطن رے اور میڈیا تھا۔

اوستا میں لفظ مجوسی کا معنی خیز استعمال

لفظ موغو جس سے مجوسی نکلا ہے۔ اوستا میں صرف ایک جگہ آیا ہے اور وہ بھی مرکب یعنی "موغو طبش" یعنی مجوسیوں سے نفرت کرنیوالا۔ ایران خاص کے باشندے مجوسیوں سے اس لئے نفرت کرتے تھے۔ کہ وہ میڈوی قوم سے تھے۔ اہل میڈیا اور ایرانیوں میں پولیٹیکل دشمنی تھی۔ داراشاہ ایران نے مدعیان تخت کو ۱۹ لڑائیوں میں شکست دیکر اسیر کیا بعضوں کو پھانسی اور بعض کو صلیب پر چڑھایا۔

میڈوی دور کے قبل از یں حالات

میڈوی دور کے آغاز یعنی ۸۰۰ سال ق م جہاں سے ایران کا تاریخی دور شروع ہوتا ہے۔ یہ حالات الیسی گل کی کتاب "ایران قدیم کے حالات مطبوعہ لیپزگ ۱۸۷۱ء" سے ملتے ہیں۔

آرین دراصل ایک قوم تھی وہ اپنے مرکز سے بکھر کر دنیا کے مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ ایک زمانہ میں ایرانی اور ہندوستانی ایک متحدہ قوم تھے۔ اور پنجاب کے کسی خاص حصہ میں آباد تھے۔

میکس ملر کا قیاس

میکس ملر کا قیاس وید اور اوستا کی چند مذہبی اصلاحات پر دارومدار رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ اصطلاحیں باہمی مشتق ہیں۔ مگر معنوی حیثیت سے مختلف ہیں۔ سنسکرت میں دیو کے معنی منور کے ہیں۔ مگر اوستا میں "دیوا" کو دیو کہتے ہیں جسکے معنی فارسی جدید میں شیاطین یعنی خبیث روحوں کو کہتے ہیں۔ اس طرح جب ایک پارسی اقرار ایمان کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں دیوؤں کی پرستش ترک کرتا ہوں گویا وہ ان دیوؤں اور ہندو دیوتاؤں کو خیرباد کہتا ہوا اہرمزد کا بندہ بن جاتا ہے مثلاً ایرانی جسے ہند کہتے ہیں وہ سنسکرت کا سندھ ہے۔

اوستا کا اہورہ سنسکرت کا "اسورہ" ہے۔ جسکے سنسکرتی معنے ارواح خبیثہ (ناپاک روحیں) ہیں۔

اسی طرح زرتشت کے متعلق مختصر الفاظ میں یوں کہا ہے۔

وہ ایک مصلح تھا۔ پیغمبر بھی اور جب کہ ابھی تک ہندو اور ایرانی منتشر نہ ہوئے تھے۔ تو وہ مبعوث ہو چکا تھا۔ نیز اس نے کثرت اشیاء پرستی کے خلاف جس نے رفتہ رفتہ قدیم و پاکیزہ مذہب ... لی تھی ... صدا بلند کی۔

اور مخالفت میں آکر زرتشت نے ہندو دیوتاؤں کو جنہیں وہ مٹانا چاہتا تھا۔ اپنے نظام مذہب کا شیاطین بنا ڈالا۔ اور پھر اپنے جانثار پیروؤں کو لیکر ایران کے مغربی اضلاع میں چلا گیا۔ جنکا اصل مجموعہ نام ایران ہے۔ وینڈیداد (۔ اوستا کا وہ حصّہ ہے جسمیں زرتشتی مذہب کے احکامات و شریعت) اور رادمات درج ہیں۔ یہ حصّہ توریت کے پہلے پانچ حصوں کی طرح ۲۲ بابوں پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں ہرمزد کی مخلوقات اور انرا مینیو (اھرمن و شیطان) کی مخالف مخلوقات سے بحث درج ہے۔ اور مندرجہ ذیل ۱۶ ممالک کا حال درج ہے۔ جن کو اھرمزد نے پیدا کیا۔

(۱) ایرینیہ ویجونہ دبابرکت دریائے دائتیا۔ (اس کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں ہے۔ تاہم اس حصہ کو دورساسانی کا دریائے ارک ریز یعنی موجودہ آذربائیجان شناخت کیا جاتا ہے۔

(۲) سغدہ (سغد یا سمرقند)

(۳) موردو۔ (مرجیانہ یا مرو)

(۴) باخدی (باختر یا بلخ)

(۵) نسایہ (پارتھیا کا دارالخلافہ یعنی موجودہ نسا واقع خراسان جو سرخس سے ۲ اور مرو سے ۵ دن کی مسافت ہے)

(۶) ہرڈیو (ھرات)

(۷) وےکرتیہ و پہلوی شرح میں اس نام کو کابل شناخت کیا گیا ہے۔

(۸) اروا (کہا جاتا ہے۔ کہ طوس کا نام تھا)

(۹) ونیہر کانہ (موجودہ گرگان یا جرجان ہے)
(۱۰) ہرہ وائیتی (اراخو نوس ہے)
(۱۱) سے تومنت (دونو دریائے ہیلمند کے قرب وجوار ہیں ہیں)
(۱۲) رگہ موجودہ پایہ تخت طہران کے قریب رے کا مقام)
(۱۳) چخرہ (غالباً ابن خورد ادبہ کا شرخ یا جرغ ہو۔ (بخارا سے چار فرسنگ پر ہے)
(۱۴) چو گوشہ وریہ (غالباً البرز کے گرد و نواح سے مراد ہے)
(۱۵) ہپت ہندو یا ہفت دریا (پنجاب سے مراد ہے)
(۱۶) وہ حصہ جو دریائے رنہ کی طغیانیوں کے نزدیک ہے اور جہاں کے باشندے بغیر کسی سردار کے زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ مقام مذکورہ فہرست گائیگر اور دیگر یورپین محققین کے خیال کے مطابق ایرانیوں کی فتوحات ملکی کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت زرتشتی مذہب کے اشاعت نامہ کا درجہ رکھتی ہے (بلخ زرتشتی مذہب کیلئے ایسا ہے جیسے مسلمانوں کے لیے مدینہ (پیغمبر صلعم کی زیارت گاہ)

خلاصہ کلام (جیسا کہ پیشتر لکھ دیا جا چکا ہے) تاریخ ایران کو مندرجہ ذیل دوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ہند ایرانی (انڈو ایرین) دور
(۲) قدیم ابتدائی دور
(۳) ایک ہزار قبل مسیح کا زمانہ یعنی آسوری اثرات کا دور
(۴) میڈی دور (۸۰۰ قبل مسیح)
(۵) قدیم ایرانی (ہخامنشی) دور ۵۵۰ ق (

(۶) وقفہ یعنی سکندر اعظم کے حملہ سے ساسانی عروج تک یعنی ۳۳۰ ق م تا ۲۲۶ عیسوی
(۷) ساسانی دور
(۸) اسلامی دور یعنی ساسانیوں کے زوال سے لیکر آجتک۔

باب دوم

یورپ اور علوم مشرقیہ | اگرچہ اس باب میں ہخامنشی کتبوں کی قدیم فارسی "زبان اوستا اور دورِ ساسانیہ کی پہلوی" پر بحث کی جائیگی۔ لیکن یورپ میں ان تینوں زبانوں کے معمات حل کرنے کیلئے کسقدر دلچسپی تھی۔ ان کی دلچسپی کے لئے کونسی زبان تحقیق و کشمکش کا باعث بنی۔

فارسی جدید سے پہلے عربوں کی فتح ایران کے باعث عربی زبان ہی ذریعہ تعلیم اور دیگر علوم کی سرچشمہ تھی اور اہل ایران کی مذہبی زبان بن چکی تھی۔ اہل علم کو فارسی سے زیادہ عربی کا اشتیاق تھا۔ وجہ یہ بھی تھی کہ ارسطو کا فلسفہ جو یونانیوں نے طاق نسیان بنا رکھا تھا۔ عربوں نے اسکا عربی ترجمہ کر کے محفوظ کر دیا۔ اور اہل یورپ نے شروع میں اسی ذریعہ سے یونانی علم و حکمت سے فائدہ اٹھایا۔ عربی سے یورپ کی زبانوں میں ترجمہ کرنیوالے مور اور یہودی بنے گئے۔ جنہوں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ عیسائیت اختیار کر لی تھی۔

بارھویں صدی عیسوی | بارہویں صدی عیسوی میں خود اہل یورپ نے ان تصنیفات کے تراجم کا انتظام سنبھالا۔ ان میں سے سب سے پہلا

مترجم جوارڈ قرمونی (ولادت ۱۱۱۴ء) دوسرا البرٹس میگنس (ولادت ۱۱۹۳ء) تھا۔ یہ شخص عربی لباس پہنکر پیرس میں فارابی ابن سینا اور الغزالی کی تصنیفات کی مدد سے ارسطو کی تعلیم پہ لیکچر دیا کرتا تھا۔

تیرھویں صدی

اس زمانہ میں میکائیل اسکاٹ نامی نے ۱۲۱۸ء میں بمقام طلیطلہ عربی کی تعلیم حاصل کی۔ راجر بیکن اور ریمنڈ لل نے اہل یورپ کو بتلایا کہ فلسفے اور سائنس کے لئے مشرقی زبانوں کا سیکھنا نہایت ضروری ہے چنانچہ چودھویں صدی عیسوی میں پوپ کلیمنٹ نے ایک فرمان کے ذریعہ عبرانی۔ کلدانی۔ اور عربی کی تعلیم کے لئے روما۔ پیرس۔ بولون۔ آکسفورڈ اور سلمنکا میں پروفیسروں کا تقرر کیا...... لیکن کلیسا نے اسپر کڑی نکتہ چینی (۱۳۲۵ء میں) کرتے ہوئے کہا کہ کہیں ان علوم کی تعلیمات سے عیسائی اعتقادات کو صدمہ نہ پہنچے۔ مذکورہ پانچوں تعلیمی اداروں میں ہر جگہ دو دو پروفیسروں کا تقرر حکومت یا کلیسا کی تنخواہوں سے کرنیکا انتظام تھا۔ حکومت یا کلیسا کا اس سے فقط یہ مقصد تھا کہ وہ مذکورہ زبانوں کی بہترین تصنیفات کا لاطینی میں ترجمہ کرائیں۔ اور اپنے شاگردوں کو عیسائیت کی اشاعت و تبلیغ کیلئے یہ زبانیں بولنا سکھائیں۔

سولھویں صدی

فرانسس پنجم نے ۱۵۳۰ء میں کالج دے فرانس کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی۔ ۲۸۴ء میں تصنیفات بوعلی سینا اور ابن رشد کے بعض حصوں کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ ایم ڈوگا (محقق) کا نام کی رائے کے مطابق ولیم پوسٹل پہلا مستشرق (مشرقی علوم کا عالم) تھا جس نے سب سے پہلے عربی ٹائپ ایجاد کیا۔ ۱۵۸۷ء میں ہنری سوم نے کالج دے فرانس میں عربی پروفیسر کی اسامی مقرر کی۔ اسکے چند سال بعد سیوبریدے بریو فرانسیسی

سفیر ہو کر قسطنطنیہ گیا۔ جہاں اس نے مشرقی علوم کے شوق کے باعث وہیں عمدہ ٹائپ بنوائے اور جاتے ہوئے پیرس لے گیا۔ جب وہ مرا۔ تو ٹائپ کا یہ سب سامان جسمیں عربی۔ ترکی۔ ارمنی۔ حلبشی۔ اور فارسی ٹائپ تھے۔ لوئی سیزدہم والئے فرانس نے خرید کر شاہی چھاپہ خانہ کے حوالہ کر دیا۔

سترھویں صدی فنون مشرقیہ کی صحیح تکمیل اسی صدی میں شروع ہوتی ہے۔ اس وقت سے ابتک یہ ترقی متصل اور مسلسل چلی آتی ہے۔

اس صدی میں سر طامس ایڈمنز اور آرچ بشپ لاڈ کی کوششوں سے عربی کی تعلیم کے لئے ۱۶۳۲ئہ میں کیمبرج اور ۱۶۳۶ئہ میں آکسفورڈ میں علامہ ابراہیم وھیلاک اور علامہ پاکاک کا تقرر ہوا۔ اول الذکر کے ذمہ یونیورسٹی لائبریری کی خدمت بھی سپرد تھی۔

طامس ہائڈ وھیلاک کے شاگردوں میں ہائڈ بہت مشہور ہے۔ یہ اپنے استاد کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں عبرانی و عربی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس نے ۱۷۰۰ئہ میں قدیم اہالیان عجم و پارتھیا و میڈیا کی تاریخ مذہب کو شائع کرایا۔ اسکی یہ تصنیفات محققانہ اور انکشافات سے تاریخ و ادب کیلئے شمع راہ کا کام دیتی ہے۔ چونکہ ہائیڈ اپنے زمانہ میں بوڈلین کا مہتمم کتب خانہ بھی تھا۔ اس لئے اس نے اس کتب خانہ سے مشہور سیاحوں کے سفرنامے اور متعدد عربی فارسی ترکی عبرانی اور سریانی زبانوں کی کتب سے استفادہ حاصل کر کے ایک بہترین کتاب مرتب کی۔ نیز اسکے علاوہ اس نے اپنے اُن دوستوں کے ذریعہ جو ہندوستان میں تھے۔ وہاں کے پارسیوں سے زبانی طور پر مزید حالات دریافت کر کے اپنی تصنیف کو گلزار معلومات بنا ڈالا۔ اگرچہ اسکی تصنیف کے دوران میں متعدد مشکلات اور ذرائع تحقیقات

میں سخت دشواریاں پیدا ہوئیں۔ لیکن اُس نے کمال جانفشانی اور تحقیق سے اپنی کتاب کو مرتب کر لیا۔

(۱) اُسنے عربی لفظ ماہ سے میڈیا کا تعلق دریافت کر لیا تھا۔

(۲) اُسے خبر تھی کہ ایران کے پارسیوں میں ایک عجیب گہری بولی رائج تھی۔

(۳) اُس نے البنداری کے نایاب عربی ترجمہ شاہنامہ کو خوب کھنگالا ہے۔

ہائڈ پارسیوں کی آخری زمانہ کی تصنیفات ۔ زرتشت نامہ[۱]۔ صددر[۲] اور فارسی ترجمہ" ارداویراف" وغیرہ کا مطالعہ کیا بلکہ صددر کا پورا لاطینی ترجمہ بھی اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ اسکے علاوہ وہ "ژند" کے رسم الخط سے بھی واقف تھا۔ لیکن انکتیل دوپیرون نے ہائڈ کی تحقیقات و تصنیفات پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا۔ کہ ہائڈ پہلوی زبان یا اوستا کی زبان سے محض نابلد تھا اور اُس نے ژند و اوستا کے معنوں کو بالکل غلط سمجھا اور قدیم کتبوں کی تحریروں کو عمارتی نقش و نگار کے نشانات بتلائے اور ہائڈ قدیم فارسی زبانوں میں سے ایک زبان بھی نہیں جانتا تھا۔

انکتیل دوپیرون ۱۷۳۱ء تا ۱۸۰۵ء

۱۸۰۵ء تک اوستا کے خیالات سربستہ کو سمجھنے اور ایرانی معلومات کے متعلق مزید انکشافات کی کوشش نہ کیگئی حالانکہ اسوقت تک اس کے ایک دو نسخے انگلستان پہنچ چکے تھے۔ مثلاً وندیداد کی ایک جلد جارج باؤشیر نے ہندوستانی پارسیوں سے ۱۷۱۸ء میں انگلستان اور ۱۷۲۳ء میں ریچرڈ کاب نے بوڈلیں لائبریری میں پہنچا دی ۔ جو اب تک موجود ہے۔

یاسنا کے دو نسخے جنکو فریزر نے سورت میں پارسیوں سے خرید کر پہلوی

اور اوستا کی زبانیں سمجھنے کی ناکام کوشش کی۔
آخر وینڈیداد کے بوڈلین والے نسخہ کے چار صفحوں کی نقل ایک فرانسیسی نوجوان آنکتیل دو پیرون نامی کو مل گئی۔ اس نے انکی تحقیق کے متعلق عزم مصمم کر لیا۔ خواہش کی کہ اس علمی دفینہ کو پارسیوں کے قبضہ سے نکالکر علمی دنیا کے سامنے آئین زرتشت کا ایک جامع حال پیش کرے۔ جو غیر پارسی یا موجودہ زمانہ کی پارسی تحریروں سے ماخوذ نہ ہو۔ بلکہ خود قدیم اور الہامی کتابوں پر مبنی ہو۔ اس کے اس شوق نے اسے اسقدر بیقرار کر دیا کہ اس نے حکومت فرانس کے مالی وعدہ اور سامان سفر کی انتظار کئے بغیر جلد ہی فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی میں معمولی سپاہی بھرتی ہو کر ہندوستان پہنچا۔ اگرچہ اسکے مخالفین اور راستے کی تکالیف نے اسکا ناک میں دم کر دیا لیکن اسنے اپنے ارادہ کو ملتوی نہ کیا۔ چنانچہ ۱۷۵۴ء میں دو قمیصوں۔ ایک دو جوڑے رومالوں اور جرابوں کے علاوہ چند کتابیں ہمراہ لیکر اپنی پلٹن کے ہمراہ ۱۶ر نومبر کو لوریان پہنچ گیا۔ جہاں اُسے سرکاری اطلاع موصول ہوئی کہ اسکے علمی شوق اور محققانہ جذبہ سے متاثر ہو کر شاہ فرانس نے پانصد فرانک کا وظیفہ اور فرانس سے ہندوستان تک کا درجہ اوّل کا کرایہ منظور فرمایا ہے۔ چنانچہ ۱۷۵۵ء کو یہاں سے چھ ماہ کی مسافرت کے بعد ۱۹ر اگست کو پانڈیچری پہنچ گیا۔ جہاں گوپل نامی کمانڈر فرانسیسی نے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہاں اُس نے آتے ہی فارسی پڑھنا شروع کر دی۔ جو بعد میں اسکے پارسیوں سے تبادلہ خیالات کا موجب بنی۔ تین سال کے بعد یعنی ۱۷۵۸ء میں پانڈی چری فرانسیسیوں کے قبضہ سے نکل گئی۔ تب وہ سورت آیا جو اس وقت فرانسیسی قبضہ میں تھی۔ مگر اگلے سال انگریزی قبضے میں چلی گئی۔ اس دوران میں وہ

ہندوستانی مذاہب۔ رسومات کی زبانوں اور عجائبات وغیرہ کی معلومات میں لگا رہا۔ اگرچہ اُسے اُس زمانہ کی سیاسی الجھنوں کے باعث طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سورت میں کاؤس اور داراب نامی پارسیوں سے ربط و ضبط پیدا کرکے وینداد کا نسخہ حاصل کیا۔ اگرچہ انہوں نے پہلے پہل اُسے نقلی نسخہ دیا مگر تحقیق کے بعد دوسرا اصلی قدیمی نسخہ مل گیا۔

مارچ ١٧٥٩ء میں انکتیل نے لغت فارسی کا اور اسکے چند روز بعد وینداد کا ترجمہ شروع کرکے ١٦ جون کو ختم کیا۔ اس کے بعد وہ پانچ ماہ تک بیمار رہا۔ اسکی تصنیفات میں دستور داراب پارسی اور بعض انگریز بھی مثلاً مسٹر سپنسر مدد کرتے رہے۔ جب انکتیل "یاسنا" وسپیرد۔ وینداد وغیرہ اور روایات کے ترجموں سے فارغ ہوا تو آتش کدوں اور دخموں کی سیر کرتا رہا۔

سورت سے بمبئی پہنچا۔ یہاں ایک ماہ کے قیام کے بعد ٢٨ اپریل ١٧٦١ء کو برسٹل جہاز میں اپنی قیمتی مسودات کے ہمراہ جو تعداد میں ١٨٠ (ایکسو اسی) تھے سوار ہوکر ١٧ نومبر کو پورٹس منتھ پہنچ گیا۔ یہاں اُسکے مسودات جنگی والوں نے لیکر فرانسیسی جنگی قیدی بنا کر جیل میں بھیج دیا۔ لیکن باوجود انگریزی فرانسیسی جنگ تھی۔ انگریزوں نے اسکی پوری مدد کرکے فرانس جانیکی اجازت دیدی اور اسکے مسودات واپس کر دئے۔ اُسنے دوران سفر میں آکسفورڈ یونیورسٹی کو بھی ملاحظہ کرکے قدیم فارسی مسودات کا بھی معائنہ کیا۔ پیرس پہنچکر اُس نے اپنے قیمتی مسودات کو شاہی کتب خانہ میں داخل کر دیا۔

١٧٧١ء میں انکتیل نے اپنے مسودات کو شائع کیا۔ لیکن اس کی تصنیفات

کی کوئی قدر نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ علمی دنیا کے ذہن نشین نہ ہو سکی۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کتاب کا (جو تین ضخیم جلدوں میں ہے) پایہ بہت بلند ہے اسوقت سے لیکر آجتک زرتشتی مذہب اور زبان کی بابت جسقدر ادبی لسانی۔ قومی اور فلسفیانہ انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ سب انکتیل کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔

ڈے ساسی | انکتیل کی تصنیف اور علمی کاوشوں اور تحقیقات علمی کا موید و حامی ڈے ساسی اُسکا ہمعصر ہے۔ جنسے ۱۷۹۳ء میں رسالہ علما" میں قدیم اہل ایران پر پانچ مشہور مضامین شائع کئے جن میں خصوصیت سے آل ساسان کے پہلوی کتبوں پر بحث کی ہے۔ ڈے ساسی نے کتبوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں یونانی تراجم کے علاوہ انکتیل کی فہرست الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا۔ اور لکھا ہے کہ اوستا کے کہنہ ترین نسخے جو اب تک معلوم ہو سکے۔ چودھویں صدی عیسوی تک کے ہیں۔ اور دور ساسانی کے کتبے تیسری صدی عیسوی تک کے ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہونا گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

سامی الفاظ ۔ ملکا ۔ بادشاہ

شنت ۔ سال

اب ۔ باپ

شمسا ۔ سورج

لا ۔ نہیں

جسمیں سر ولیم جونز نے پہلے عربی الفاظ پھر کلدانی سمجھا۔ مگر یہ الفاظ صاف اپنی قدامت کی گواہی دیتے ہیں۔ اور بتایا کہ یہ امر ثابت ہے کہ

پہلوی آل ساسان کے عہد میں رائج تھی۔ اور یہی وہ سلاطین تھے۔ جنہوں نے یہ کتبے کندہ کرائے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ بلکہ انکا پہلے بادشاہ اردشیر بابکان وہ شخص ہے جس نے تعلیم زرتشت کو دوبارہ فروغ دیا۔ اب یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔ کہ ژندی کتابیں پہلوی زبان میں کیونکر ترجمہ ہوئیں۔ اور اپنی اصلی حالت اور قدامت کی گواہی دیتی ہیں۔ الغرض ڈی ساسی اپنے زمانہ کا پہلا محقق ہے جس نے ان کتبوں اور قدیم ایران کے حالات صحت کے ساتھ ترجمہ کرکے شائع کئے۔

ڈی ساسی کے مضامین (مطبوعہ ۱۷۹۸) کی اشاعت کے پانچ سال بعد پال ڈے سین پارتھلے بے می نے روم میں اپنا مضمون میں سنسکرت وجرمن زبان کی باہمی قرابت اور قدامت کے ساتھ ہی قدامت اوستا کی زبان کا سنسکرت سے باہمی تعلق بھی ثابت کیا ہے۔

قدیم فارسی کتبوں کے تحقیقات کرنیوالا انیسویں صدی کا گروٹ فنڈ نامی محقق گذرا ہے۔ (میکانی کتبوں کا حال جنکا رسم الخط اور زبان دونو نامعلوم تھے) حل کر لینا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس محقق کی تحریروں کے نمونے گائین جین کی جمعیت العلوم شاہی کے کاغذات میں حال ہی میں نکالے گئے ہیں۔ اور ڈبلیو میئر نے سوسائٹی مذکور کی روئیداد ۱۳ ستمبر ۱۸۹۲ء میں شائع کی ہے۔ ان میں سے پہلی تحریر ستمبر ۱۸۰۲ء۔ دوسری۔ ۱۲ اکتوبر تیسری ۱۳ نومبر اور چوتھی ۲۰ مئی ۱۸۰۳ء کو پڑھکر سنائی گئی۔

ڈاکٹر ہائڈ کی تصنیف کی تنقید میں جیساکہ پیشتر بیان ہو چکا ہے۔ کہ عوام بلکہ علما کا یہ متفقہ فیصلہ تھا۔ کہ کتبوں کے حروف کسی زبان یا رسم الخط میں نہیں ہیں بلکہ یہ معماروں کے عمارتی نقش و نگار ہیں لیکن گروٹ فنڈ

اپنے دوست فائی اور ہی کے خلاف اس بات پر زور دیتا تھا کہ جن کتبوں کی زبان اور حروف گمنامی کی حالت میں ہیں۔ ان کا انکشاف بالکل ممکن ہے۔ چنانچہ اس ضد کی بنا پر اس نے انکی تحقیقات کی طرف توجہ دیکر مندرجہ ذیل نتائج برآمد کیئے۔ کہ

(۱) کتبوں کی علامات خط ہیں۔

(۲) کتبے تین مختلف زبانوں میں قلمبند ہیں اور ہر ایک زبان کا رسم الخط جدا جدا ہے۔ اور ایک کتبہ دوسرے کا ترجمہ ہے۔

(۳) بالخصوص پہلی قسم (قدیم فارسی) کے کتبے اور دوسری کے بھی حروف سے مرتب ہیں نہ کہ تصاویر یا نقش و نگار ہیں۔

(۴) معلوم شدہ ہیکانی کتبوں کی سمت تحریر یکساں ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک متوازی الافق سطور میں بائیں سے دائیں طرف لکھا گیا ہے۔

مزید تحقیق ۱۸۳۷ء کے زمانہ میں یورپ میں تین محقق۔ لاسن۔ برنوف۔ اور رولنس خاص طور پر مشہور گذرے ہیں۔

ان میں آخرالذکر الگ ایران میں انکشافات و تحقیق کے لئے مصروف تھا اس نے دارا کے بے ستون والے عظیم الشان کتبے کے پہلے جزو میں سے یہ نام پڑھ لئے تھے۔ ارشادہ۔ اریارامنہ۔ چیش پیش اور ہخامنشی۔ برنوف سنسکرت دان تھا۔ وہ ان کی مدد اور پوسینگ کے ترجمہ سنسکرت کے ذریعہ اوستا کے مطالب معلوم کر کے یاسنا پر اپنی تصنیف کر کے ہیکانی کتبوں کی تحقیق میں مصروف ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اسے بدنصیب و ناکام سیاح شولتز کا اضلاع وان اور الوند سے فراہم کیا ہوا۔ تازہ مواد حاصل ہو گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے اسی نے دارا کے کتبہ میں درج شدہ ممالک کے ناموں کی

طرف دنیا کی رہنمائی کی۔ اُس نے اس کتبہ سے ذات باری کا نام یعنی اھورمزد اور چند دیگر الفاظ پڑھ لئے۔ فہرست الفاظ اُسنے ۱۸۳۵ء میں لاسن (شخص کا نام) کو بھیجی۔ لاسن نے ان کی مدد سے حروف کا تعین صحت سے انتہا درجہ پر پہنچا کر یہ ثابت کر دیا۔ کہ سنسکرت کیطرح ان کتبوں کی زبان میں بھی اکثر حروف اشمام فتح کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ آئندہ چار سال یعنی ۱۸۴۰ء تک لاسن کے انکشافات نے اگلے محققین بیرادیا تھے کے ہاتھوں توسیع تشریح اور تصحیح پائی۔

کلاڈ جیمس رچ برطانوی ریذیڈنٹ مقیم بغداد کا فراہم کردہ سرمایہ معلومات شائع ہوا۔ اور ویسٹر گارڈ کتبات استخر کی نئی مگر صحیح نقول حاصل کر کے لایا۔

۱۸۵۱ء میں لاف ٹس ۱۸۸۴ء میں ڈی لافوئے اور اس سے اگلے سالوں میں شٹولہ استخر پہنچکر کتبوں کی تصویریں اتار کر لایا۔ اور ۱۸۸۲ء میں بمقام برلن (دار الخلافہ جرمنی) "پرسی پولس کے نام سے ایک کتاب دو جلدوں میں طبع کرائی۔

فارسی کے میکانی حروف پر محقق آپرٹ کی رائے

فارسی قدیم کے حروف اس وقت ایجاد ہوئے تھے۔ جب دولت میڈیا کو زوال اور ھخامنشی کو عروج نصیب ہوا تھا۔ اور یہ حروف آسور کے تصاویر مقاطع بہ اسلوب ذیل اخذ کئے گئے تھے:-

آسوری سے ایک تصویر لیکر اُسے فارسی لفظ کی تصویر مقطع کی آواز عطا کر دی جاتی تھی۔ یا الفاظ دیگر آسوری فارسی کی تصویر تصور کر لیا جاتا پھر اس تصویری علامت کو تقلیل کر کے ایک مساوی صورت میں مقرر کر کے

اس کو فارسی لفظ کی پہلی آواز کے لئے بطور ایک حرف کے قرار دیا جاتا۔ حتیٰ کہ یہ عمل و تعین اسوقت تک جاری رہا جبتک کہ فارسی زبان کی آوازوں کے لئے تحریری علامات یا حروف پورے نہ ہوگئے۔ اس ترکیب سے چھٹی صدی قبل مسیح میں اہل ایران نے نظام تصاویر مقاطع سے (جو غالباً ابتدا میں تصویروں کا مجموعہ تھا) بتدریج ترقی سے مکمل حروف ہجی پیدا کر لئے۔ لیکن یہ عمل اس مقام پر آکر رکھا گیا۔ جہاں حروف صحیح سے وابستہ علامات حرکت (فتح۔ کسرہ۔ ضم وغیرہ) کو جدا کرنا پڑتا تھا لہذا مندرجہ ذیل اجزا کے لئے ایرانیوں کو مختلف حروف ایجاد کرنے پڑے۔

کا۔ کو۔ کا۔ گو۔ جا۔ جی۔ دا۔ دی۔ دو۔ ما۔ می۔ مو۔ ...... وغیرہ۔

فارسی پر آسوری اثرات قدیم زمانہ میں ایران کی زبان پر سامی اثرات اور اس سے بھی پہلے آسوری۔ پھر آرامی۔ اور سب کے بعد عربی اثرات غالب ہوئے۔ جو آجتک ہیں۔ سیاسیات۔ نظام اجتماعی بشمول قانون اور فنون حرب میں بھی سامی اثرات سے فارسی محیط رہی۔ شاہ اعظم کے شاہ شاہاں۔ شاہ فارس۔ شاہ صوبجات صرف طرز بیان اور القاب میں ہی شاہ اعظم شاہ آسوریہ کا مقلد نہ تھا۔ بلکہ بہت سی اور باتوں میں بھی آسوری ماحول سے اہل ایران متاثر رہے۔

پہلوی خط کی خصوصیات ایک مشہور مورخ فارسی لینس کے بیان کے مطابق پہلوی دور میں آجکل کیطرح ایرانی سپاہ اور رعایا اپنے بادشاہ کو شاہاں شاہ کہا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ پہلوی لفظ ملکان ملکا شاہ شاہاں شاہ کا ترجمہ ہے۔ گوشت کے لئے بسرا۔ روٹی کے لئے

لحمہ کے لفظ ہیں۔

رفتہ رفتہ یہ الفاظ دور اسلامی کے آغاز میں گوشت اور "نان" بن گئے۔

اوستا کی ترقی و تحقیق مزید اور جنگ مسالک

برٹھوف نے متعدد پہلوی نسخوں کو باہمی مقابلہ کے بعد اُسکا صحیح متن لکھا۔ اور کئی سنسکرت تراجم سے اسکے ترجمہ کو جانچکر ایک معرکتہ الارا کتاب لکھی۔ اُسکے علاوہ اُس نے اپنے سے پہلے یورپین اور دیگر مولفین و محققین کے تراجم کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر خوب پرکھا اور ساتھ ہی ساتھ اوستا کی زبان کے قواعد اور تدوین لغت کا کام بھی کیا۔ اور دوسروں کو اس معاملہ میں عملی راہنمائی اور تحقیق و مطالعہ اوستا کیلئے ایک علمی بنیاد قائم کی۔

اسی زمانہ میں ایک محقق بوپ نامی کی کتاب قواعد شائع ہوئی جس میں اُس نے مختلف آرین یا انڈو یورپین زبانوں کی صرف و نحو کا مقابلہ کر کے شائع کیا جسکی اشاعت سے محققین اوستا کے درمیان زبردست اختلاف پیدا ہوا۔ دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک کا دارومدار صرف قدیم روایتوں پر تھا۔ دوسرا گروہ مقابلہ و تنقید کے حق میں تھا۔ دونو گروہ اپنے اپنے خیال کے مطابق اوستا کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہو گئے۔ دونو فریقین میں باہمی مباحثہ چھڑ جاتا تھا۔ اسلئے اس واقعہ کو جنگ مسالک کے نام سے پکارتے ہیں۔ ھاگ ابتداءً سنفی یعنی اہل مقابلہ کا مقلد تھا لیکن جب ہندوستان سے ہو آیا۔ تو پارسی روایات کا حامی بن گیا۔ پہلویات کو ادنٰے درجہ سے بلندی پر لیجانیوالا اور اصلاح کنندہ یہی شخص تھا۔ ڈارم شیٹمٹر اپنے زمانہ کا وہ مشہور فاضل تھا جس نے کمال احتیاط اور صحت کامل سے مدد روایتوں کے اصل

ستونوں کا بھی مطالعہ کیا۔

نقش رستم کے ساسانی کتبے

نقش رستم دریائے پلوار کی دائیں چٹانوں پہ واقع ہے۔ جہاں دریا مذکور وادیوں میں چکر کاٹتا ہوا اسیوند اور زرگون کے درمیان مرودشت میں آنکلتا ہے۔ اسکے دوسری طرف مشرقی سمت میں دو یا تین میل کے فاصلہ پر عین سامنے "استخر" نظر آتا ہے۔ یہاں ہی ساسانی عہد کے کتبے ہیں۔ جنکی تحقیق و حل میں ڈی ساسی نے کمال جانفشانی کی ان میں سے ایک کتبہ بہت قدیم کتبوں میں سے ہے۔ جنکو سلاطین ھخامنشی کتبوں کی تقلید میں شاہان ساسان نے کندہ کرائے۔ اس کتبہ کا سن ساسانیہ خاندان کے بانی اردشیر بن بابک کا عہد حکومت یعنی ۲۲۶ تا ۲۴۱ عیسوی ہے۔ اور پہلوی کی دو مختلف صورتوں میں مرقوم ہے۔ ان میں سے ایک کتبہ کو کلدانی اور دوسرے کو ساسانی کہتے ہیں۔ رسم الخط بھی جدا ہے۔ اس کے ساتھ یونانی زبان کا ترجمہ بھی کندہ ہے۔ جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

اس مزدا کے پوجنے والے ارتخشتر بھگوان کی شبیہ (صورت) جو ایران کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کی روحانی نسل سے ہے۔ اور پاپک بادشاہ کا بیٹا ہے۔

ساسانی یادگاریں

ایک ہی زمانہ کی ساسانی یادگاروں (کتبے اور سکے) کے حروف تہجی میں نمایاں فرق ہے۔ کتابوں کے حروف زیادہ مبہم ہیں۔ بائیس برس پہلے مصر میں کاہی کاغذ پر جو تحریری اجزا ملے ہیں۔ وہ اب تک غیر مطبوعہ اور پڑھنے میں مشکل ہیں۔ اس کے علاوہ پہلوی تحریروں کے نمونے صرف سنہ ۱۳۲۳ عیسوی تک کے ہیں۔ گو یا مذکورہ بالا ساسانی کتبے

ایکہزار سال بعد کے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پہلوی رسم الخط کو صرف اہل زرتشت ہی استعمال کرتے تھے۔ اب اُن تحریروں کی حالت اس قدر بگڑ چکی ہے۔ کہ جو لفظ بلحاظ شکل ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ہمشکل بن گئے ہیں۔ اور ایک حرف متعدد آوازوں کا حامل بن گیا ہے۔ اگرچہ تعداد اصوات (یعنی کی تعداد) کا نقص ساسانی میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن کتابی پہلوی زبان میں اور بھی بڑھا ہوا ہے۔ مثلاً اب ایک حرف واحد چار مختلف حروف یعنی۔ ز۔ د۔ گ اور ے کی آوازیں دیتا ہے۔ مگر قدیم کتبوں میں ان آوازوں کی تحریری علامتیں ان سے بالکل مختلف تھیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ پہلوی کی عبارتیں کسقدر مشکل اور فہم سے بالا ہو چکی ہیں۔ چنانچہ مسٹر ملر نے اپریل ۱۹۲۹ء میں اسکے متعلق ایک مضمون لکھکر جیورنال ایشیاٹک میں شائع کرایا۔ جسکے متعلق ہورگ کا خیال ہے۔ کہ اس مضمون سے پہلویات میں ایک نئے انقلاب کا آغاز ہوتا ہے۔

ابن المقفع آٹھویں صدی عیسوی کا مشہور فاضل پارسی جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر سنگی القلب ہونیکے باعث پھر مرتد ہو گیا۔ ۷۶۱ء میں قتل ہوا۔ یہ خوش تقریر۔ اور عربی انشا پردازی میں بے نظیر تھا۔ مشہور عرب مورخ ابن خلدون بھی اسکی زبان دانی اور حسن تقریر کا معترف ہے۔ اس کے علاوہ ابن مقفع کو پہلوی زبان پر بھی کافی عبور تھا۔ چنانچہ اس نے متعدد اہم پہلوی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے۔ جسمیں سے انقلاب زمانہ کے باعث اُس کا صرف ایک ہی ترجمہ جو سب سے کم اہم اور غیر دلچسپ ہے۔ باقی بچا۔ جسکا نام کلیلہ و دمنہ ہے۔

تعریفیں اور اصطلاحات

میڈوی سے مراد اہل میڈیا کی زبان ہے۔ جو موجودہ ایران کا مغربی حصہ ہے قرون اولیٰ کے قدیم عرب جغرافیہ دانوں نے اسکو ماہات کا نام دیا ہے۔ میڈیا کا قدیم دارالخلافہ ایکبتنہ تھا۔ جو کتبوں میں ھگمتانہ آیا ہے۔ اور جو اب ہمدان (ایران کے ایک صوبہ یا شہر کا نام) کے نام سے موسوم ہے۔ میڈوی زبان آجکل ناپید ہے۔

اوستائی | اوستائی سے مراد اوستا کی زبان ہے۔ جو اکثر غلط طور پر ژند اور کبھی کبھی قدیم باختری زبان سے موسوم کی جاتی ہے۔ اوستا ایسی کتاب ہے۔ جو اس زبان میں قلمبند ہے۔ اوستائی کا رسم الخط پہلوی سے ماخوذ ہے۔ لیکن پہلوی سے بدرجہا بہتر ہے۔ لفظ اوستا کا وجود دور ساسانی سے پہلے کہیں نہیں ملتا۔

پہلوی میں اوستا کا نام اوستاک، سریانی میں اپستاگا۔ اور عربی میں ابستاق ہے۔ اینڈریاس کا خیال ہے کہ وہ قدیم فارسی کے اُپستا سے مشتق ہے جسکے معنی مدد حمایت کے ہیں۔ اور اس مرکب کے حقیقی معنے اصل متن کے ہیں۔

ژند۔ جب اوستا اور ژند کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ تو اوستا متن کے معنی دیتے ہیں۔ اوستا و ژند کو الٹا کر ژند و اوستا بھی کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ پارسیوں کی الہامی کتاب کا متن کا نام اوستا اور اس کی مسلسل پہلوی شرح کا نام ژند ہے۔ جو عموماً متن کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ پس اگر زبان ژند کی اصطلاح استعمال میں آئے۔ تو اس سے ژند یعنی ترجمہ و تفسیر کی زبان یا پہلوی زبان مراد نہیں لینی چاہیئے۔ اسی اصطلاح سے یورپ میں غلط فہمی پھیلی اور وہ زبان ژند کا اطلاق اصل متن یعنی اوستا پر کرتے رہے۔

قدیم فارسی ۔ سے مراد ایران خاص یعنی فارس کی وہ قدیمی زبان مراد ہے جو ہنجا منشی دور کے کتبات کی نیز سلاطین ایران مثلاً دارا زرکسیز اور دوسرے تاجداروں کی شاہی و سرکاری زبان مراد ہے۔ سوائے کتبوں کے اسکا کہیں نشان نہیں ملتا۔

پہلوی ۔ اوسس ہاوس کی تحقیق کے مطابق پہلوی اور پارتھوی ہم معنی ہیں جسطرح قدیم الفاظ متھر۔ چیتھر مہذب و سبک ہو کر مہر اور چہر بن گئے اس قیاس کی رو سے پارتھیا کا پورا نام پارتھوا۔ پرتھو۔ اور پرتھو سے پہلو بن گیا۔ لفظ پہلوؤں کا نام ہندوستان میں پہنچ گیا۔ اور ایران میں آج بھی دور شجاعت یا پہلوانان نامور کے کارناموں اور زبان کے معنوں میں رائج ہے۔ یورپین علما کے خیال کے مطابق پہلوی ساسانی یا فارسی متوسط کا مترادف ہے۔ اسکے رسم الخط کو آرامی یا ھزوارش عنصر کی آمیزش کہتے ہیں"۔

لیکن وہ پہلوی جسمیں فردوسی کے ذکر کردہ شاہان نامدار اور پہلوانان گردن کش باہمی مراسلت کرتے تھے۔ جسمیں عمر خیام اور خواجہ حافظ نے نغمہ سرائی کی۔ اور چودھویں صدی کے مشہور مورخ اور جغرافیہ نویس حمد اللہ متوفی قزوینی کا بیان ہے کہ وہ (پہلوی) ایران کے متعدد اضلاع خاص کر شمال مغربی ایران میں بولی جاتی تھی۔

مگر فردوسی کا قول ہے۔ کہ "دیو بند" پہلا بادشاہ تھا جس سے نہ صرف ایک زبان بلکہ رومی (یونانی) تازی (عربی) پارسی۔ ہندوستانی چینی اور پہلوی زبانوں کو باہمی گفتگو اور تحریر کا ذریعہ بنایا۔

فرس قدیم | زرتشیوں کے علاوہ ایران کا ہر ایک باشندہ پہلوی زبان کو فرس قدیم سمجھتا تھا۔ لیکن کتاب ہذا میں یہ لفظ فارسی متوسط یا فارسی

بہ زمانہ ساسان کے حصوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ پہلوی اس حد تک کہ اسکے ابتدائی نقوش عہد زہر اور تیسری چوتھی صدی قبل مسیح یعنی پارتھیہ کے نیم پارتھوی سکوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہز وارش اسے زدارش اور زوارشن بھی کہتے ہیں۔ دستور ہوشنگ جی پارسی اسے آسوری زبان قرار دیتا ہے۔ اور ڈران بورگ "ہاسوسی" یعنی سریانی کہتا ہے۔

ہوگ کے خیال کے مطابق یہ حاصل مصدر ہے جسکے معنی پرانا یا متروک ہو سکتے ہیں۔ یہ لفظ اسقدر متروک ہو گیا ہے۔ کہ اصلی معنوں میں اسکی صرف ایک شکل عربی کے فعل زور (تزویر مصدر) میں پائی ہے۔ جسکے معنے جبر کیا۔ چھپایا۔ بگاڑا یا متن میں تحریف کی چال کی یا غلط راستہ پر ڈالا۔

پازند و پارسی ژند کی تشریح کو (جو اوستا کی تفسیر و ترجمہ ہے) پازند کہتے ہیں۔ اسکے الفاظ ٹھیک فارسی معلوم ہوتے ہیں۔ جب فارسی (یعنی عربی) حروف اختیار کئے جاتے ہیں تو پارسی کہلاتی ہے۔

اس لئے اوستائی تشریح و تفسیر یا ترجمہ کی ضرورت تب لاحق ہوئی جب کہ پہلوی کے الفاظ متروک ہونے لگے۔ اور کتابیں پہلوی اور علماء زبان پہلوی مفقود ہونے لگے۔

جدید یا موجودہ فارسی جدید فارسی یا صرف فارسی سے مراد ایران کی وہ زبان ہے۔ جو فتح ایران اور وہاں اسلام کی حکومت کے بعد لکھنے اور پڑھنے اور عام بول چال میں ایران میں بتدریج ترقی کے ساتھ جاری ہوئی جس کا رسم الخط عربی ہوا۔

بابا طاہر اور اسکی رباعیات بابا طاہر ایران کا برنز دیرین مشہور شاعر

تھا۔ اسکے کلام میں سادگی خیال اور پاکیزگی زبان ہے۔ الفاظ رواں اور پرکیف۔ اسکی رباعیات کی دھوم ایران اور اُسکے باہر یورپین ممالک میں خوب ہے۔ اسکی رباعیوں کے متعلق کہ وہ کس علاقہ کی زبان میں ہیں بعض ہمدان کی اور بعض لوری کے علاقہ کی بولی میں بتائی جاتی ہیں، اسکی رباعیات ایران میں متعدد دفعہ اور فرانس میں فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ یورنال ایشاٹک میں ۱۸۸۵ء میں شائع کیا۔

باباطاہر کی ھزج مسدس مخدوف بہت مقبول و مشہور ہے نمونۃً معہ ترجمہ اردو درج ذیل ہے۔

چہ خوشہ بی مہر بونی انہ دوسر بی (ترجمہ) محبت تو وہ ہے جس میں عاشق و معشوق دو نو بیتاب ہوں۔

باباطاہر کے علاوہ اسی زمین میں اکثر مشق سخن کرنیوالے مشہور شعراء سعدی۔ حافظ۔ بندار رازی تضمین و ہزل گو ابواسحٰق شیرازی ہیں۔

چارلس شفیر کے شاہی کتب خانہ میں ایک پرانی قلمی کتاب ۶۳۵ھ کی تصنیف شدہ (مصنفہ نجم الدین ابوبکر) کو مصنف کتاب ہذا ابراؤن صاحب نے خود دیکھا اس کتاب کا نام کتاب الراحت الصدور فی تاریخ کیسخشرو وآل سلجوق" ہے۔ کتاب ہذا میں کثرت سے (ایرانی) فضیاتی زبانوں کے اشعار یا فہلویات (پہلوی زبان کے اشعار) منقول ہیں۔ اس کا متن صحیح ہے۔ اور دنیا بھر میں غالباً یہی واحد نسخہ ہے۔

حمداللہ مستوفی کی بلند پایہ کتاب موسومہ تاریخ گزیدہ مطبوعہ ۱۳۳۰ء میں ۸۹ شعراء و شاعرات کے نام معہ مختصر حالات درج ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل وہ شعراء ہیں جنھوں نے فضیاتی زبان میں شاعری کی اور

انکے نمونہ کلام کو مستوفی نے اپنے تذکرہ میں شامل کیا ہے۔
(۱) ابوالماجد راٹگانی۔ (۲) امیر کار قزوینی۔ (۳) تاج زنجانی۔۔

(۴) پیدار یا بندار رازی۔ (۵) جولاہہ ابہری (۶) عزالدین ہمدانی
(۷) کافی۔ کرجی۔ (تیرھویں صدی)

مشہور شاعر و سیاح اور اسماعیلی فرقہ کا بانی ناصر خسرو اپنے سفر نامہ (مرتبہ و ترجمہ شیفر بنام قراشبیسی مطبوعہ پیرس) میں لکھتا ہے کہ ۱۰۴۶ء میں جب وہ مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا تو تبریز میں قطران شاعر تھے اس سے شاعر منجیک کے قصباتی زبان کے بعض شعروں کا حل دریافت کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں قصباتی شاعری کا شوق گیارہویں صدی عیسوی سے اب تک برابر چلا آتا ہے۔ اسدی کی "لغت فرس" بارہویں صدی کی تالیف ہے جسے ڈاکٹر پال ہارن نے ویٹیکن کے نسخہ وحید سے نقل کرکے ۱۸۹۷ء میں برلن میں چھاپا۔ اسمیں بھی جابجا قصباتی اشعار پہلوی کے لقب سے منقول ہیں۔

فارسی نثر میں اس قسم کی جو دو اعلیٰ کتابیں ہیں وہ دو نو بدعتی فرقوں کی ہیں۔

ان میں سے ایک کا نام جاودان کبیر ہے۔ وہ حروفیوں کا صحیفہ ہے جو تیمور کے زمانہ چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ اس کے کچھ حصہ کی زبان عربی ایران کی بولی ہے۔ دوسری کتاب بابیوں کی ایک افسانہ نما تاریخ ہے۔ جس میں ۱۸۴۸ء کی بابی بغاوت مازندران کا حال درج ہے۔ اس کی زبان مازندران کی بولی ہے۔

فارسی زبان کی مشہور بولیوں کے اضلاع کے نام یہ ہیں۔ ماژندران
گیلان تالش شمال میں سمنان شمال مشرق میں۔ وسط میں کاشان قہرو۔
نائین اور یزد۔ کرمان۔ رف۔ سنجان وغیرہ میں زرتشتیوں کی عجیب وغریب
گبری بولی سیوند جنوب میں۔ لورستان بہبہان (یہاں رضا قلی خاں نام کا
ایک نیچرل شاعر موجود ہے) اور کردستان مغرب میں مگر بیرونجات میں
اور متعدد بولیاں موجود ہیں۔ جن کے ناموں سے اہل یورپ واقف نہیں ہیں
جیساکہ پیشتر کتبات قدیم فارسی۔ ژند اوستا اور پہلوی وغیرہ کا ذکر کیا جا
چکا ہے۔ ان تمام ادبیات کا بحیثیت مجموعی فارسی ادبیات نام ہے۔
مصنف کتاب پروفیسر براؤن نے لکھا ہے کہ مذکورہ تین قدیم زبانوں
اور ادبیات کی بابت میری معلومات نہ صرف سطحی بلکہ دوسروں کی وساطت
پر مبنی ہیں۔ کیونکہ فارسی جدید اور عربی ادبیات کا مطالعہ متعدد دماغ کے
لئے زندگی بھر کا سامان ہو سکتا ہے۔ باقی ادبوں کی سرحدیں (Litratures)
تو بہت دور ہیں یعنی اُنکے حصول کے لئے کئی عمریں درکار ہیں۔ کسی علم کی
تحقیق کیلئے اہلیت کی بھی ضرورت ہے۔ فارسی قدیم اور اوستا کے لئے
سنسکرت کی مہارت کی ضرورت ہے۔ اور علوم عربی اور واقفیت اسلام کا
ثانوی درجہ ہے۔ فارسی قدیم کے لئے آسوری اور اوستا کے لئے پہلوی زبان
کی واقفیت ضروری ہے۔ لیکن پہلوی میں اسوقت تک کام نہیں چل سکتا
جب تک کہ آرامی زبانیں، سریانی اور کلدانی نہ آتی ہوں۔ ہر ایک مصنف
کا یہ شیوہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھائے۔ اسمیں ذاتی طور
پر مہارت کاملہ رکھتا ہو۔

فصل دوم

اوستا

پچھلے صفحات میں جن تحقیقات اور انکشافات کا ذکر کیا گیا ہے اُنکے متعلق گلیڈنر، ڈارم سٹیٹر کی متضاد رائوں کا خلاصہ بھی درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ اُنکی روشنی میں مزید انکشافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

گلیڈنر کی پہلی رائے ۱۸۹۶ء

کے مطابق اوستا کا ایک حصہ یا کم از کم گاتھا یا تو خود زوراسٹر (زرتشت) یا اُنکے حواریوں کے اصل الفاظ میں ہے۔ اُنکی تعلیم کا مرکز باختر کی زبان اُنکی تعلیم کا آلہ تھی۔ شاہ وستاسپ۔ یا گشتاسپ جو اُنکے مذہب کو قبول کر کے مذہب زرتشت کا محافظ بن گیا تھا۔ وقائع تاریخ میں کہیں مذکور نہیں۔ گلیڈنر کی دوسری رائے ۱۸۹۶ء کے مطابق لکھتے ہوئے اُسنے اپنے معترضین سے اُنکی روائتوں کی اہمیت کو منوا لیا ہے۔ جو پہلوی پارسی اور ابتدائی اسلامی تحریرات میں درج ہیں گلیڈنر نے گائگر اور کوہن کی لسانیات عجم ۱۸۹۶ء کے لئے جو مضمون لکھا ہے۔ اُسمیں اگرچہ اُسنے اوستا کی تصنیف و تالیف کے بارے میں ڈارم سٹیٹر کے بیان سے اختلاف رکھتے ہوئے بھی اپنی رائے کے خلاف پارسی روایات کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے۔ زرتشت کے معتقد ہسٹاڈ پیز کو دارا کا باپ اور تاریخی آدمی۔ نیز ساتی رس اعظم کو زرتشت کا معاصر تسلیم کرتا ہے۔ اور اوستا کی قدیم ترین تدوین ۵۶۰ ق م اور اصل نسخۂ اوستا کے تلف و گم ہونے اور زمانہ تلفی کو سکندر کے حملے و لوگی سیز

کے درمیانی زمانے کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور آخر کار اس بات کا بھی اقرار کر لیا
کہ دوسری اوستا کو والوگی سیز نے از سر نو شروع کیا اور اردشیر بانی
خاندان ساسان نے تجدید کی۔

شاہ پور ثانی ۳۰۹ء تا ۳۷۹ء کے عہد تک اسکی تدوین و اجتماع کا سلسلہ جاری
رہا ہوگا۔ لیکن ان باتوں کے باوجود بھی اسنے اس
خیال کو نہیں چھوڑا۔ کہ اوستا کا حصہ گاتھانہ صرف سب سے پرانا حصہ ہے۔
بلکہ وہ زرتشت کی اصلی تعلیم زرتشت کے اصل الفاظ میں ہے۔
نیز ڈارم سٹیٹر کے خلاف عمدہ تاریخی دلائل پیش کر کے باصرار کہتا ہے
کہ گاتھا کو "سکندریائی ادبیت" کی ہوا تک نہیں لگی۔ نہ ہی لفظ گاتھا کا لفظ
"وھومنو" (بہمن) فیلو جوڈی اس لفظ "لوگوس تھوس" (کلام ربانی) کے بطن
سے نکلا ہے۔

ڈارم سٹیٹر کی رائے ۱۸۹۶ء اوستا کی تدوین جسکا صرف ایک حصہ اسوقت
موجود ہے۔ پہلی صدی عیسوی والوگی
سیز اوّل کے عہد حکومت میں شروع ہوئی۔ اور شاہ پور ثانی کے کے زمانے
تک اسمیں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا آخری حصہ اسکندرانی یا جدید
افلاطونی فلسفۂ معرفت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زرتشت کی تعلیم کی جائے پیدائش
میڈیا ہے۔ اور میڈیا کی زبان ذریعہ اظہار۔ اور بعض پہلوی کتب کے مطابق
زرتشتی حکمت کا آغاز ایام سکندری سے تقریباً تین اور حضرت عیسےٰ سے
چھ یا سات صدی قبل ہوا تھا۔ یعنی ہنجا منشی خاندان کے ظہور سے کسی قدر پہلے۔

ساسانی اوستا موجودہ اوستا ساسانیوں کی اوستا کا صرف
ایک جزو ہے۔ اور ساسانی اوستا بھی حجم میں ہیں ہیں اسی قدر تھی کہ

ایک دستور آسانی کے ساتھ لوح دل پر محفوظ کر سکتا تھا۔ نیز وہ ''کامل اوستا کا ایک حصہ ہے جو بیل کے مدبوغ چمڑوں پر آب زر سے'' نوشتہ'' اور احترام کے ساتھ سنتخر پاپکان میں رکھی رہتی تھی جسے سکندر رومی نے تباہ کر دیا۔ لیکن دینیار جو موجودہ اوستا کا جزو اعظم ہے ضخامت میں ایک خاص جلد ہے۔ اور اکیس ۲۱ نسکوں میں سے ایک نسک ہے۔ جن پر ساسانی اوستا مشتمل تھے۔ ان نسکوں کے مضامین پہلوی دین کرد کے ذریعہ معلوم ہوئے جو نہایت کار آمد اور نویں صدی عیسوی کی تالیف ہے۔ ان اکیس نسکوں کے پہلوی نام دنیا میں عام مشہور ہیں۔ اور اس کتاب کو تین مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) گاسانیک :۔ اسمیں آئتیں عبادت اور مسائل دین درج ہیں۔

(۲) داتیک :۔ قوانین معاشرت پر مشتمل ہے۔

(۳) ھاتک مان سریک : فلسفہ وحکمت پر مبنی ہے۔ پہلے سات نسکوں میں سے جن سے یہ حصہ مرتب ہوا۔ جو دستوروں کے لئے مخصوص تھا۔ تین کے اجزا ابھی تک باقی ہیں۔ مثلاً ع ا۔ استوت لیشت ۲ بکو ۱۲ توخت دوسرے سات نسکوں میں سے بھی جو عوام کیلئے کئے گئے۔ مندرجہ ذیل تین سلامت ہیں۔

(۱) وینیدیار (۲) ناس پارم (۳) بکان لیشت۔ پچھلے دو جزوی حالت میں۔ تیسرا نسک علمائے محققین کے محدود گروہ کے مطابق کا تھا وہ ناپید ہو چکا ہے۔ ولیسٹ کے حساب سے ان اکیس نسکوں کی کل تعداد ۳۴۷۰۰ تھی۔ جنمیں سے اب صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ بچے ہیں۔

موجودہ اوستا کے حصے	وینیدیداد یاسنا۔ دوسرے چار نسکوں

کے اجزا سے مرتب شدہ ہے۔ نیز بعض حصے ایسے بھی ہیں جو بعض پہلوی کتابوں میں منتشر رہتے ہیں۔ انہیں سے ہر پارہ تیر نگستان میں محفوظ ہے۔ اوستا کے موجودہ اجزا، اور مذہبی کلمات کو پارسیوں نے مندرجہ ذیل پانچ حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔

یاسنا اسمیں عبارت کے طریقے اور مذہبی کتب جو مختلف فرشتوں مقدس روحوں اور پاک ہستیوں کی شان میں گائے جاتے ہیں۔ درج ہیں اس میں ۷۲ باب جو ہا تئی یا ہا کہلاتے ہیں انہی کی تعداد کے تلازمے کو کشتی یا زنار کو ۷۲ تاروں سے بناتے ہیں۔ کسی کو زرتشتی مذہب میں داخل کرنیکی رسم اسی کشتی کے پہنانے سے ادا کی جاتی ہے۔ قدیم گاتھا اسی میں شامل ہے۔

وسپیرید کوئی علیحدہ منظم اور مستقل کتاب نہیں بلکہ یہ مذہبی ورد وظایف کا مجموعہ یا بصورت دیگر یاسنا کے مثل اور اس کا ضمیمہ ہے جو عبارت کے لئے یاسنا کے ساتھ کام میں آتی ہے۔ اس کتاب کے ۲۳ سے ۲۸ تک ابواب ہیں جنہیں کردے کہا جاتا ہے۔

وینید یداد:- یعنی قانون دافع شیاطین۔ اسمیں پارسیوں کے اخبار یا قوانین مذہبی کا مجموعہ ہے جسمیں آداب طہارت۔ واستغفار اور کفارے کی تراکیب بیان کی گئی ہیں۔ اسکے ۲۲ ابواب ہیں جنہیں فرگرد کہتے ہیں پہلے باب میں ان پاکیزہ قطعات زمین پیدائش کا حال بیان ہے جسے اہرمزد نے پیدا کیا۔ نیز اہرمن کی خراب سرزمینوں کی پیدائش اور ان کے ممالک کا حال ہے۔

لیشت:- ایک قسم کے ۲۱ پارسی بھجن رمذہبی گیت ا جو مختلف ملائکہ اور

ارواح قدسیہ کے لئے مخصوص ہیں۔

پارسی مہینے کا ہر دن ان میں سے ہر ایک فرشتے کے لئے منسوب ہے۔ اور اس کے نام پر دن کا نام مقرر ہے۔ پارسیوں کے عقیدہ کے مطابق ہر پاک روح کے لئے ایک بہشت مقرر ہوا ہے جنکی مجموعی تعداد تیس تھی۔ گویا اس لحاظ سے سال بارہ ماہ کا اور ہر ماہ تیس دن کا اور اگر گاتھا کے پانچ دن بھی شامل کر دئے جائیں تو ۳۶۵ دن کا شمسی سال ہو جاتا ہے۔ بابیوں نے جنکی ابتدا کلابتہ ایک اسلامی فرقہ کی صورت میں ہوئی۔ اور جو شروع شروع میں غلات شیعہ میں سے تھے اسلامی قمری مہینہ جو شمسی سے تقریباً ۱۱ دن کم ہے ترک کر کے اور فرقہ کے اعداد ۱۹ کو ہر شمار کی بنیاد سمجھکر انیس ماہ کا ایک شمسی سال اور ۱۹ دن کا ایک مہینہ تجویز کیا۔ تعداد ایام و ماہ کی ضرب سے سال کے ۳۶۱ دن۔ (۱۹ × ۱۹ = ۳۶۱)

تقویم اور فصلی سال میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے باقی کے دن یا تو پانچ یا اس سے کم اور ملا لیتے ہیں۔ ان پانچوں دنوں کی تعداد اپنے پیرومرشد باب کے حروف (ب ا ب) کے عدد سے نکالتے ہیں (ب = ۱+۲ = ۱ (ب = ۲ کل = ۵ عدد)

بابی سال کا ہر مہینہ خدا تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت یا مظہر فعل کی طرف منسوب اور اسی سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ صورت پارسیوں کے ہاں قدرے انوکھے رنگ میں ہے لیکن صورت دونوں کی یکساں ہے۔

خورده اوستا یہ ایک قسم کا رسالہ نماز ہے۔ جو شاہ پور ثانی کے عہد میں عوام کے لئے تالیف کیا گیا۔ اس کا مؤلف آذر پاد مہر اسپند تھا۔ اس

رسالے میں اوستا کا کچھ حصہ۔ پاژند میں لکھے ہوئے وظائف۔ پانچ مناجاتیں (جس میں سورج۔ چاند۔ ستھرا کے پانی۔ رب النوع اور آتش بہرام کو مخاطب کیا گیا ہے۔) روزہ اور برکات وغیرہ درج ہیں۔

اوستا بحیثیت مجموعی زرتشت کی کتاب اوستا کا وہ حصہ جو ہم تک پہنچا ہے۔ وہ بھی اصل کتاب کے جزو ہیں۔ اگرچہ اوستا نے ایک قدیم نوشتے اور ایک شہرہ آفاق انسان کی تعلیم ہونے کی حیثیت سے تاریخ میں بہت اہمیت پائی ہے۔ اور اسکے متبعین کے لئے نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ مگر عام کتب کی نسبت اسکا مطالعہ طبیعت پر گراں گذرتا ہے۔ قرآن مجید کا جسقدر زیادہ مطالعہ کیا جائے اور اسکی روح کو اکتساب کرنے کی جسقدر کوشش کی جائے۔ اسی قدر زیادہ لطف آتا ہے۔ لیکن اوستا کو لسانی تفحص یا مقابلے کی ضرورتوں کے علاوہ کسی اور ارادے سے پڑھنا بلائے جان معلوم ہوتا ہے۔ گو اوستا کے ترجمے فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمن زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا ترجمہ شائع نہیں ہوا۔ جو ایک معمولی عقل و شوق والے شخص کو سوائے خاص ضرورت کے اس کا ایک صفحہ ختم کرنے پہ آمادہ کر سکے۔ (براؤن کی رائے)

فصل سوم

پہلوی ادب

پہلوی افسانے سکوں پر سنہ ۳۰ء سے ۲۹۶ء تک سب سے پہلے ۱۸۶۷ء میں لیبوی کے باشندے برسیلاوے نے سراغ لگایا کہ پہلوی کی قدیم

ترین مرقومات کیا تھیں۔ اُس نے لکھا ہے۔ کہ پہلوی کے قدیم کی ترین نمونے اُن پارتھوی سکوں کے کلمات ہیں جو تیسری صدی کے آغاز اور چوتھی صدی کے اختتام میں رائج تھے۔ پارتھیوں کے آخر۔ ساسانیوں کے پورے دور مسلمانوں کے ابتدائی زمانے کے ایرانی سکوں پر بھی پہلوی نقوش موجود تھے۔ لہذا پہلوی کی روایات سکہ ۳۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۶۳ء تک پھیلی ہیں۔ اسکے بعد اموی خلیفہ عبدالملک نے ایرانی سکہ اٹھا کر عربی سکہ جاری کیا۔

پہلوی کتبے | سب سے قدیم تاریخ کے دو کتبے ہیں۔ ایک اردشیر کا۔ دوسرا شاہ پور کا۔ جو آل ساسان کے دو پہلے بادشاہ تھے۔ ان کتبوں کا سلسلہ گیارھویں صدی تک پہنچتا ہے۔ آخری کتبے وہ ہیں۔ جو پارسی سیاحوں نے ۱۰۰۹ء اور ۱۰۲۱ء میں بمبئی کے نزدیک بمقام سلسیبس بدھوں کے غاروں میں کندہ کئے تھے۔ قدیم و جدید کتبوں کی درمیانی یادگار دس گواہوں کے پہلوی دستخط ہیں۔ جو ایک شاہی فرمان پر ثبت ہیں۔ یہ دستخط ایک تانبے کے پترے پر کندہ ہیں۔

پہلوی ادب | پہلوی ادب کے صحیح زمانے کا حال اس سے پیشتر لکھا جا چکا ہے۔ ساسانیوں کے بعد خلیفہ مامون رشید کے دربار میں جو مناظرے کا میدان گرم ہوا۔ اسکی روئداد گجستک ابالش نامک نامی پہلوی کتاب میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ پہلوی ادب نویں یا دسویں صدی عیسوی تک زندہ رہا۔ اگرچہ پارسی مصنفین آج تک تصنیف و تالیف کرتے رہے۔ لیکن وہ جعلی پہلوی معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً اسمیں جعفنی لاحقہ اک۔ کو اسمی لاحقہ ایہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

پہلوی مسودات | پہلوی کے قدیم ترین مسودے وہ ہیں۔ جو نردی کے

پریشان قطعات پر قلمبند مصر سے برآمد ہوئے۔ ویسٹ کے خیال کے مطابق اُنکا سال تصنیف آٹھویں صدی عیسوی ہے۔ اسکے بعد پہلوی یاسنا کے قلمی نسخے کا درجہ ہے۔ جو جے۔م کے نام سے معروف ہے۔ جسے ۲۵ جنوری ۱۳۲۳ء کو کاتب نے ختم کیا۔

پہلوی ادب کی مقدار و نوعیت پہلوی ادب پر ویسٹ اول درجے کی سند ہے۔ اس نے پہلوی ادب کو تین مدارج پر تقسیم کیا ہے۔

(۱) متون اوستا کے پہلوی تراجم تعداد میں ۲۷ مکمل اور ٹکڑوں میں ہیں۔ اِنکے مجموعی الفاظ ایک لاکھ اکتالیس ہزار تخمینہ کئے جاتے ہیں۔

(۲) پہلوی متون جو مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں۔ اِن میں تفاسیر۔ ادعیہ روایات۔ پند و نصائح۔ اقوالِ مقدس شامل ہیں۔ متون کی تعداد ۵۵ اور تعداد الفاظ ۴۴۶۰۰۰ ہے۔ اِنکے علاوہ مندرجہ ذیل مہتم بالشان اور دلچسپ کتابیں ہیں۔

دین کرت نویں صدی عیسوی کردار ہائے دینی۔ ایک عظیم الشان ذخیرہ معلومات ہے۔ کتاب نویں صدی کے آخیر میں تالیف ہوئی۔ اِس کا مؤلف دین زرتشت پیرو ہے۔

بن دہشن بارھویں صدی ایک ضخیم مذہبی رسالہ ہے۔ اسکا ایڈٹ شدہ نسخہ "ایرانی" کے نام سے بارھویں صدی میں مکمل ہوا۔

داتستان دینیک نویں صدی اِس کتاب میں مذہبی آرا ہیں .... ویسٹ کی رائے کے مطابق ترجمہ کرنے کے لئے یہ کتاب جسقدر مشکل ہے۔ پہلوی زبان میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔ یہ کتاب نویں صدی کے آخیر میں لکھی گئی۔

شکند گمانیک ویچار شرح شک اپا۔ اسمیں مذہب کے متنازع فیہ مسائل درج ہیں۔ موجودہ پہلوی ادب میں یہی ایک کتاب ایسی ہے۔ جو فلسفہ سے ٹکراتی ہے۔

مینوئے خورد یا ماۓ نوگ اس کتاب کے دو نام ہیں۔ یعنی روح دانش کی رائیں اسمیں زرتشتی مذہب کے متعلق ۶۲ سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ کتابی پہلوی سیکھنے کیلئے سب سے بہترین ابتدائی کتاب ہے۔

ارداویراف نامک اس کتاب میں پارسی بہشت و دوزخ پر بحث کی گئی ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں اسکے ترجمے ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب دیگر کتب کی نسبت زیادہ دلچسپ ہے۔ کیونکہ اس میں قومی احیاء اور حیات بعد الموت کے متعلق زرتشتی عقائد کا مفصل حال درج ہے۔ دوزخ کے بیان میں چینوت پل اور پلصراط۔ اسلام کی حوروں اور زرتشتی دوشیزاؤں میں بہت گہری مناسبت پائی جاتی ہے۔

مادیگان گجستک اباش اسمیں ایران کے قدیم روائتی اور قصے کہانیوں کے بادشاہوں کے متعلق دلچسپ پرانی روایات وقصص موجود ہیں۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں بار تیلیمی نے اسکو شائع کیا۔ فارسی اور فرانسیسی ترجمے کے ساتھ چھاپا تھا۔

اندرز خسروئے کواتان اس میں نوشیرواں کی وہ وصیتیں قلم بند ہیں جو اسنے بستر مرگ پر اہل ایران کو خطاب کی تھیں۔ یہ کتاب گو مختصر ہے۔ لیکن ظالمان نے اپنی کتاب "فارسی متوسط پر مضامین" میں ایک دلچسپ اور روشن مضمون کو اس پر مبنی کیا ہے۔ جس میں دکھایا گیا ہے۔ کہ پہلوی

متن بلند آواز سے پڑھے جانے پر کس طرح مسموع ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب محققانہ طور پر پاژند لکھنے کی قابلِ داد کوشش ہے۔

(۳) **غیر مذہبی پہلوی متون** اِس صنف کی کتابیں تعداد میں گیارہ ہیں۔ اور دلچسپی میں سب پر فائق ہیں۔ اِنکے مجموعی الفاظ ۰۰۰ الم ہیں۔ گو ساسانی دَور میں پہلوی ادب کی غیر مذہبی کتابیں بہ تعداد کثیر موجود تھیں۔ لیکن ساسانی دَور کے غیر مذہبی ادب کے حامل و نگراں زرتشتی پادریوں کے بے اعتنائی سے یہ ادب بھی تلف ہوگیا۔ باقی ماندہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ساسانی دَور کے زرتشتیوں کے آداب معاشرت۔

(۲) **یات کارِ زریران یا شاہنامہ گشتاسپ** گائگر نے بزبان جرمنی اسکا ترجمہ کیا۔

(۳) **خسرو ئے کواتان** نوشیرواں اور اُسکے غلام کا قصہ

(۴) **کارنامک ارتخشتر پاپکان** یعنی بانی آلِ ساسان اردشیر بابکان کے کارنامے۔ یہ کتاب پروفیسر نولڈیکی نے دلچسپ حواشی اور روشن مقدمے کے ساتھ ۱۸۷۹ء میں طبع کرائی۔ اور بعد میں ۱۸۹۹ء میں بغیر مقدمے اور حاشیہ کے بمبئی میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب ساسانیوں کے تین تاریخی ناولوں میں سے ایک ہے۔

(۵) بلادِ ایران۔ (۶) عجائباتِ سیستان۔ (۷) درختِ آسوریک۔ (۸) چترنگ نامک (شطرنج نامہ) (۹) انشا۔ (۱۰) نکاح نامہ (۱۱) مشہور فرہنگ پہلوی۔ یعنی پاژند فرہنگ پہلوی جسکو ۱۸۷۰ء ہوشنگ دستور نے بمبئی اور لندن میں طبع کرایا۔

زرتشتی ادب پہلوی کتابوں کے علاوہ ایرانی پارسیوں نے فارسی میں تصنیف و تالیف کی جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) زرتشت نامہ (نظم)	تیرھویں صدی بمقام رے تصنیف ہوا۔
(۲) صددر یا صد ابواب (نظم و نثر)	دین زرتشت کا خلاصہ۔
(۳) علمائے اسلام	(۴) مذہبی روائتوں کا مجموعہ۔
(۵) قصہ سنجان	اسلامی فتوحات کے بعد پارسیوں کے ہند میں وارد ہونے کا حال۔

(۶) پہلوی کتب کے متعدد پہلوی ترجمے جنیر ولیسٹ نے لسانیات عجم کے ضمیمے میں تنقید کی ہے۔

ساسانی دور میں نظم کا وجود پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے۔کہ دور ساسانی میں یا تو نظم کا وجود ہی نہ تھا۔ اگر تھوڑا بہت تذکرہ تھا۔ تو اس کا ایک مصرع بھی آج نہیں مل سکتا۔ بعض پہلوی کتابوں کے اجزا اسلامی مصنفین مثلاً طبری مسعودی دینوری وغیرہ نے اپنی تصانیف میں محفوظ کرائے تھے۔ ان کے ماخذ پہلوی کے عربی تراجم تھے۔جن کو ابن المقفع عربی اور پہلوی کے ماہر نے پورا کیا تھا۔لیکن مکمل ترجمہ جو ہم تک پہنچا ہے۔ وہ ابن المقفع کا ترجمہ کلیلہ (دمنہ) ہے۔ یہ کتاب نوشیرواں عادل کے عہد میں شطرنج کے ساتھ ہندوستان سے ایران پہنچی۔ اور اسی بادشاہ کے لئے اس کا پہلوی میں ترجمہ ہوا۔

اسلام کے ابتدائی مصنفوں میں جو مسائل عجم سے پوری واقفیت رکھتے

تھے۔ یہ ہیں۔ طبری ۹۲۳ء میں فوت ہوا۔ الجاحظ ف۔ فوت ۸۶۹ء
ابن قتیبہ ف ۸۸۹ء یعقوبی ف ۸۹۲ء دینوری ف ۸۹۵ء مسعودی
دسویں صدی کے وسط میں گذرا ہے۔ اسکی تصنیفات مروج المذہب اور
کتاب التنبیہ والاشراف میں اس قسم کا مواد موجود ہے۔ البلاذری ف
۸۹۲ء۔ محمد بن اسحاق مولف کتاب الفہرست (آواخر دسویں صدی)

فصل چہارم

"ایران کا قومی افسانہ"

اس سے پیشتر ایران قدیم کی اصل تاریخ پر بحث ہو رہی تھی اس کا ماخذ قدیم ہی کتبے۔ اور مصنفین ماضیہ تھے۔ اب واقعات کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے۔ کہ خود اہل ایران اپنے قدیم سلاطین اور شاہی خاندانوں کی نسبت کیا خیالات رکھتے تھے۔ انکے قومی افسانہ کی روئداد شاہنامے کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ شاہنامہ ایک مبسوط نظم ہے۔ جو ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ فردوسی نے تقریباً چالیس سال کی کاوش سے سلطان محمود غزنوی کے لئے ۱۰۱۰ء میں ختم کیا۔ اہل ایران اس جلیل القدر نظم کو اپنی قوم کی قدیم تاریخ کا سرچشمہ مانتے ہیں۔ پروفیسر نولڈیکی نے لسانیات عجم میں شاہنامے پر مفصل بحث کی ہے۔ ذیل کے مختصر بیان میں ایران کے قومی افسانے کے تاریخی پہلو کو پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ نامے کے مضامین شاہ نامہ قبل از اسلامی تاجداران عجم کے چار خاندانوں کو پیش کرتا ہے۔ (۱) پیشدادی۔ (۲) کیانی۔ (۳) اشکانی

(۴) ساسانی۔ نیز شاہنامہ قومی افسانہ کی آخری رزمیہ مثنوی ہے۔

پیشدادیاں پیش داری خاندان کا پہلا بادشاہ گیومرث۔ اور اوستا کا پہلا شخص گیومرتیہ ہے۔ جو زرتشتیوں کا باوا آدم تھا۔ وہ پہاڑوں میں بود و باش رکھتا تھا۔ خود بھی تیندوے کی کھال پہنتا اور اپنی قوم کو بھی یہی لباس پہننے کی تلقین کرتا تھا۔ درندے اور دیو وغیرہ اسکے مطیع تھے۔ اسکی وفات کے بعد اسکا پوتا ہوشنگ تخت نشین ہوتا ہے۔ چقماق سے آگ نکالنے کا گُر اسکے ہاتھ آتا ہے۔ بعد ازاں اسکا بیٹا تہمورث تاج شاہی سر پر رکھتا ہے۔ اور دیوؤں کو زیر کرکے "دیو بند" لقب حاصل کرتا ہے۔ دیوؤں سے تیس زبانوں میں فن کتابت سیکھتا ہے تیس برس کے بعد اسکا بیٹا جمشید تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔

جمشید ابتدائی زمانے کے عربی مصنف جمشید کو حضرت سلیمان بتاتے ہیں۔ اسکے علاوہ اہل ایران بھی ھخامنشی کتبوں کو جمشید یا حضرت سلیمان سے منسوب کرتے ہیں۔ بظاہر اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ انکے ذہنوں میں یہ بات مستلط ہے۔ کہ یہ جلیل القدر عمارتیں انسانی قدرت سے باہر ہیں۔ ان کا بانی چاہے کوئی ہو۔ ضروری ہے۔ کہ اسکے قبضے میں دیوؤں کی ایک جماعت ہے۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ دیو یا تو حضرت سلیمان کے تابع تھے۔ یا جمشید کے۔ لہٰذا جمشید یا سلیمان دونوں میں سے ایک نے ان یادگاروں کو تعمیر کیا ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کے دور میں خود آتش پرستوں نے جمشید کی تمام یادگاروں کو حضرت سلیمان سے منسوب کیا ہے۔ تاکہ انکے فاتح کی نظروں میں انکی عزت بڑھ جائے۔ اور انکو وہی حقوق عطا کئے جائیں۔ جو

اسلام نے اہل کتاب کو عطا کئے تھے۔ گو یہود و نصاریٰ قرآن پر یقین نہ رکھتے تھے۔ مگر ایسی کتاب کو مانتے تھے۔ جو بانیٔ اسلام پر نازل ہوئی۔ جاہل اور ناتعلیم یافتہ ایرانی بادشاہ جم اور حضرت سلیمان کو ایک ہی شخص تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حضرت سلیمان اور جمشید کے زمانے میں تین ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ شاہنامے میں جمشید کو ایک زبردست حکمران۔ انسان طیور۔ دیو اور پریوں کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ جو سات سو برس تک حکومت کرتا ہے۔ انسان کو جانوروں کا استعمال سکھاتا ہے۔ رعایا کو پیشوں کے لحاظ سے تقسیم کرتا ہے۔ دیووں سے تعمیر کا کام لیتا ہے۔ جواہرات، عطریات اور ادویات کو رواج دیتا ہے۔ حضرت سلیمان کی طرح ہوائی تخت پر جہاں چاہتا ہے۔ اڑ کر چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غرور اسکو خدائی کے دعوے پر مائل کرتا ہے اور وہ غاصب ضحاک کے ہاتھوں ہلاک ہوتا ہے۔

اژی دھاک یا دھاک | دھاک اوستا کے سانپ اژی دھاک کا قائم مقام ہے۔ بعد میں اس لفظ نے اژدھاک اور پھر اژدھا کا روپ لیا۔

اُس شخص کے شانوں پر دو سانپ نکلتے ہیں۔ جو آدمی کا بھیجا کھا کر جیتے ہیں۔ لیکن فردوسی اس انسان کو ایک عرب کی شخصیت عطا کرتا ہے۔ جو ظالم اور شیطان کا خاص چیلا کہلاتا ہے۔ جو نبات خور سے حیوان خور اور پھر مردم خور بن جاتا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال حکومت کرنے کے بعد وہ اپنی خوراک کے لئے مزید آدمی مانگتا ہے۔ رعایا باغی ہو جاتی ہے۔ اور اس بغاوت کا سرغنہ "کاوائے آھن گر" ہوتا ہے۔ اس لئے کاوہ کا چرمی پیش بند قومی آزادی کا پھریرا بن جاتا ہے۔ پھر فریدوں کو جو

کیانی نسل سے تھا) ڈھونڈ کر تاج شاہی اُسکے سپرد کیا جاتا ہے۔ جو اژدھاک کو شکست دیکر انصاف کے ساتھ پانسو برس تک حکومت کرتا ہے فریدوں اپنے تینوں بیٹوں کی شادیاں کرکے ملک تقسیم کر دیتا ہے۔ سب سے چھوٹے بیٹے ایرج کے حصے میں ایران آتا ہے جس کے باعث بڑے بھائی حسد کے باعث ایرج کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس واقع کی خبر جب فریدوں کو پہنچتی ہے۔ تو وہ اپنے دونوں بیٹوں کے خلاف انتقام کا حلف اٹھاتا ہے۔

منوچہر ایرج کی بیوی ماہ آفرید کے بطن سے منوچہر پیدا ہوتا ہے۔ جو بڑا ہو کر فوج کی مدد سے اپنے دونوں چچاؤں کو قتل کرکے اُنکے سر فریدوں کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اور فریدوں کے بعد تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔

افراسیاب فریدوں کے بیٹوں کی جنگ برادر کشی سے تور کی اولاد تورانی اور ایرج کی اولاد ایرانیوں میں عرصہ تک ہیبت ناک معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ تورانیوں کا سپہ سالار افراسیاب تھا۔ ان لڑائیوں سے نہ صرف ایران کے افسانے بلکہ ایرانی تاریخ کا جزو اعظم مرتب ہوتا ہے۔ ان سے ہی سیستان اور زابلستان کے مشاہیر سام۔ زال۔ رستم اور سہراب کا نام وابستہ ہے۔

رستم رستم ان سب سے زیادہ مشہور ہے۔ صدیوں پر صدیاں گذر جاتی ہیں۔ لیکن رستم زندہ رہتا ہے۔ اور جب کبھی شاہان کیانی خصوصاً کیقباد۔ کیکاؤس۔ اور کیخسرو پر جب کوئی بلا نازل ہوتی ہے۔ تو وہ دفعتاً نمودار ہو کر اُنکی امداد کرتا ہے۔ آخر کار جب وہ زرتشت کے جنگجو حامی گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار کو قتل کرتا ہے۔ تو اپنے بھائی کی غدارانہ چالوں

سے خود لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔
اوستا میں رستم کا نام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ مذہب حق کا دشمن تھا۔ اسلئے مصنفین اوستا نے قصداً اُس کا نام دبا دیا ہے۔
رستم کی موت پر شاہنامے کے کہانی افسانہ آمیز حالات ختم ہو جاتے ہیں کچھ مدت بعد اسفندیار کا بیٹا بہمن تخت نشین ہوا۔ جب قومی افسانہ پھر مرتب ہوا۔ تو اُسے اردشیر کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اردشیر مجوسی رسم کے مطابق اپنی ہمشیرہ خومانی سے شادی کرتا ہے۔ اُس کا بیٹا دارا اردشیر کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ اردشیر کے بعد خومانی کے بھائی ساسان کو تاج و تخت کی اُمید تھی۔ مگر جب اُسنے یہ سُنا۔ کہ دارا کے سن بلوغ تک پہنچنے تک اُس کی ماں سلطنت کا انتظام کرے گی۔ تو وہ شدت غم سے بیتاب ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ اہل ایران کا عقیدہ ہے۔ کہ ساسانی بادشاہ اسی کی نسل سے ہیں۔ اور آل ساسان کو وہ کیانیوں کے جائز وارث اور تاج کیانی کو زندہ کرنے والے مانتے ہیں۔

سکندر کا قصہ قومی افسانہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عنان حکومت دارا ثانی کے ہاتھ سے نکل کر تاج پوشان ساسانی کے ہاتھوں میں آگئی مگر اس مقام پر ایک اجنبی واقعہ افسانہ سکندر کے نام سے درمیان میں آ جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ سکندر کی تاریخی اہمیت کیا ہے۔ اس افسانے کا اصل ماخذ کیلس تھینیز کا گم شدہ یونانی متن ہے۔ اسکے ترجمے۔ سریانی۔ حبشی۔ مصری۔ عربی اور جدید فارسی میں موجود ہیں۔ زرتشتی روایت میں وہ مردود سکندر رومی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس نے زرتشت نامہ کو جو بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر

سے لکھا ہوا تھا) جلا کر ایران کو تباہ کر دیا۔ اور بالآخر خودکشی کر لی۔

سکندر شاہنامے میں | ازاں بعد اہل ایران نے جنہیں فردوسی بھی داخل ہے سکندر کو سلاطین ایران کی فہرست میں داخل کر لیا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان کو فرضی کیس تھفینر کے واقعات بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ سکندر کی تلوار سے اُن کے قومی افتخار کو جو زخم لگے تھے اُنہیں مندمل کرنا چاہتے تھے۔

سکندر نامہ نظامی | سکندر نامہ جو بارھویں صدی میں تحریر کیا گیا۔ اُسمیں سکندر کو دانا۔ خدا ترس بادشاہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں اس کو ایک پراسرار شخصیت ذوالقرنین سے مطابق کیا گیا ہے۔ جو حسب تعلیم قرآن موسٰے علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ جو مشہور حکیم ارسطو کی تعلیم کے زیر اثر وحدت پسند بن گیا اور کافر ایرانیوں کی بیخ کنی کرنے پر تل گیا۔

پارتھوی دور | پارتھیوں کی نسبت یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انکا حال نہایت مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ایرانی اور عرب مورخوں نے سکندر کی موت اور ساسانیوں کے عروج کے درمیان اُنکے عہد کے ۵۰۰ سال دانستہ کم کرکے ۲۶۶ سال کر دیا ہے۔ علامہ مسعودی نے اس مغالطے کا یہ سبب ظاہر کیا ہے۔ کہ جب اردشیر نے سکندر کے ۵۰۰ برس بعد آل ساسان کی بنا ڈالی۔ تو ملک میں یہ پیشنگوئی دل نشین تھی۔ کہ زرتشت کے ایک ہزار برس بعد ایران کی سلطنت تباہ ہو جائے گی۔ زرتشت کا زمانہ سکندر سے ۳۰۰ برس قبل سمجھا جاتا ہے۔ اردشیر کو خوف ہوا۔ کہ یہ پیشنگوئی عوام میں ہل چل ڈال کر خود بخود پوری نہ ہو جائے۔ اسلئے اُس نے دیدہ دانستہ اس مدت سے ۲۰۰ سو سال خارج کر دئے تاکہ اُس کے خاندان

کو زیادہ عرصہ حکومت کرنے کا موقعہ مل سکے۔ علامہ مسعودی نے اس حیرت انگیز کذب کو ایک سیاسی اور مذہبی راز بیان کیا ہے۔

قومی افسانہ کی تاریخ و قدامت اوستا میں شاہنامے کے مشاہیر کافی طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کہ اول الذکر کی تصنیف کے وقت تک قومی افسانہ کے ضروری خط و خال موجود تھے۔ لیکن اُنکی قدامت کی صرف یہی دلیل نہیں۔ کیونکہ نولڈیکی نے ثابت کیا ہے۔ کہ یونانی مورخوں نے قدیم سلاطین عجم کے جو حالات لکھے ہیں۔ اس میں قومی افسانہ کے بعض اجزاء مخلوط ہیں۔

یادگار زریران یہ کتاب سنہ ۵۰۰ء عیسوی کے قریب تصنیف ہوئی گو یہ ضخامت میں چھوٹی ہے۔ مگر اہمیت میں بیش بہا ہے۔ کیونکہ اسمیں قومی افسانہ کے سچے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اسمیں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ قومی افسانے کا ماخذ قدیم روایات ہیں۔ جو افسانۂ اعظم کی بنیاد میں پڑی ہیں۔

چوتھا باب

دور ساسان سنہ ۲۲۹ء تا سنہ ۶۵۲ء

آل ساسان وہ فرمانروا تھے۔ جن کو یونانیوں نے خسرو اور عربوں نے کسریٰ کا لقب دیا۔ یہ ایران کی دولت قدیم اور زرتشت کے دین کو زندہ کرنے والے تھے۔ نیز اس دور کا امتیازی وصف یہ ہے۔ کہ ان کے عہد میں ملک پرانی حالت سے نکل کر نئی حالت میں آیا۔

ساسانی شکوہ اور کسرے و نوشیروان کا درباری شکوہ	سیرت رسول اللہ مرتبہ ابن ہشام کا اقتباس کسرے و نوشیروان)

اپنے تخت والے ایوان (محل) میں جلوہ آرا ہوتا۔ جہاں اس کا تابع تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ تاج ایک قنقل کی مانند تھا۔ اور اس میں یاقوت زبرجد اور موتی سونے چاندی میں جڑے ہوئے تھے۔ یہ تاج شاہی نشست گاہ کی ایک محراب سے سونیکی زنجیر کے ذریعہ لٹکتا رہتا تھا بادشاہ کی گردن تاج کا بوجھ نہ سہار سکتی تھی۔ اسلئے وہ کپڑوں میں لپیٹ کر دیوان میں جاتا۔ اور شاہی نشست گاہ کے اندر لٹکایا جاتا۔ اور بادشاہ اسمیں اپنا سر داخل کر دیتا۔ بادشاہ کے بیٹھنے پر کپڑے ہٹا دیئے جاتے اور پہلے پہل بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونیوالا شخص یہ کرو فر اور شان و شوکت دیکھکر گھٹنوں کے بل تعظیم بجا لاتا۔

ساسانی بادشاہوں کا ربانی وجود	ساسانی بادشاہ اپنے آپ کو

دیوتا کہتے تھے۔ اور رعایا کے دل میں یہ بات اچھی طرح جاگزیں ہو گئی تھی کہ عجمی تاج پہننے کا حق صرف آل ساسان کو حاصل ہے۔ یہ بادشاہ نہایت دبدبے اور جاہ و جلال سے حکومت کرتے تھے۔ شاہی خاندان کے علاوہ کسی متنفس کی مجال نہ تھی۔ کہ وہ شاہی لقب اختیار کر لیتا۔ اگر کوئی شخص جرأت کرتا۔ تو اُسکے اِس فعل کو بالائے فہم و وہم سمجھا جاتا گویا ساسانی بادشاہوں کو تاج عجم پہننے کا آسمانی حق حاصل تھا۔

آسمانی حق کی تعلیم نے ایران کی آئندہ تاریخ پر گہرا اثر ڈالا۔ اس میں مثال یہ ہے۔ کہ خلفاء ثلاثہ (ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ) میں سے جو اہل ایران حضرت عمرؓ سے متنفر ہیں۔ اُسکی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت عمر

کے عہد خلافت میں تمام ایران فتح ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا۔ لیکن اصل حقیقت صاف طور پر عیاں ہے۔ یہ خلاف اس کے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت امام حسینؓ کی نسبت انکا یہ اعتقاد ہے۔ کہ اُنہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگرد کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا۔ اسلئے شیعوں کے دو بڑے بڑے گروہوں کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت نہ صرف پیغمبری بلکہ شاہی حقوق کے وارث بھی ہیں۔ کیونکہ بانئے اسلام کے علاوہ آل ساسان سے بھی اُن کا رشتہ ملتا ہے۔

سیاسیات شیعہ ایران میں سیاسی تعلیم کا ایک نامتنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔ کہ بنی علی ہی تاج و تخت کے اصلی مالک ہیں۔ بنی علی کے سوا اور بادشاہ زور بازو سے تخت و تاج کے مالک ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص انکو سلطنت کا جائز وارث تسلیم نہیں کر سکتا۔ بابی سیاسیات کی بنیاد بھی یہی عبارت ہے۔ جس پر بابی عمارت تعمیر کی گئی۔

اہل شیعہ صدیوں سے امام حسین اور شہربانو کی شادی کو ایک تاریخی واقعہ مانتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ مشہور عربی مورخ یعقوبی کے قول کے مطابق علی اصغر کی والدہ یزدگرد کی بیٹی تھیں۔

شہربانو فارسی تعزیوں میں بی بی شہربانو جو چھٹے سے بارھویں امام تک نو اماموں کی والدہ تھیں۔ اہل ایران آج بھی انکی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے نام سے طہران میں ایک پہاڑ کوہ بی بی شہربانو کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں صرف وہ مستورات جاتی ہیں۔ جو اپنی منتوں کے لئے خدا اور اپنے درمیان واسطہ چاہتی ہیں۔ ایران میں ایک ڈرامہ "تعزیہ"

غائب شدن شہر بانو" مطبوعہ طہران ۱۳۱۲ھ کے صفحہ نمبر ۱۹ پر شہر بانو کی زبان سے یہ ادا کرایا جاتا ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ

"میں یزدگرد کی نسل اور نوشیرواں کی پشت سے ہوں۔ ایک رات حضرت فاطمۃ الزہرا خواب میں تشریف لائیں۔ انہوں نے کہا میں تجھے اپنے بیٹے امام حسین کے عقد میں دیتی ہوں۔ میں نے کہا۔ امام حسین مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں وہاں کسطرح پہنچ سکتی ہوں۔ انہوں نے فرمایا۔ حضرت امام حسن مدائن پر لشکر کشی کریں گے۔ تو اسیر ہو کر مدینہ لیجائی جائے گی۔ اور امام حسین کے عقد میں آکر اپنی اولاد سے مجھے خوش کرے گی"

ساسانیوں کی نسبت ان کی عیسائی رعایا اور معاصرین کی رائے

عہد ساسان کی تاریخ عیسائیوں نے تاریک تر دکھائی ہے۔ کیونکہ عیسائی اور زرتشتیوں کے قلب مذہبی تعصب سے ہر وقت مشتعل رہتے تھے۔ ایک عیسائی مصنف جو ایران میں رہتا تھا۔ اہل ایران کو ان الفاظ میں یاد کرتا ہے "اس شریر قوم کا سرمایہ مسرت اس بات سے واضح ہو جائیگا۔ کہ انہوں نے ان لوگوں پر بھی رحم نہ کیا۔ جو اُنکے حوالے کر دیئے جاتے تھے"

نوشیرواں عادل

اسی طرح خسرو اوّل کو اہل ایران نے نوشیرواں عادل کا خطاب دیا۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ جب اُسکے بیٹے نے عیسائی مذہب قبول کر کے باپ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ تو نوشیرواں نے ایرانی گورنر کو ہدایت کی کہ تمہیں عیسائیوں کے کثیر غول سے گھبرانا نہ چاہیے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ زندہ نہیں رہ سکتے

جبکہ اُن کے مذہب میں یہ لکھا ہے۔ کہ اگر کسی عیسائی کے بائیں گال پر کوئی طمانچہ مارے۔ تو اُسے چاہیئے۔ کہ دایاں گال بھی پیش کر دے۔"

شاہنامہ کے مضمون کا اقتباس

شاہنامہ میں جہاں قدیم ایرانی بادشاہوں کے تذکرے۔ رزم و بزم کے واقعات اور تیغ و سنان کے دھنی بہادروں کے جنگی کارنامے درج ہیں۔ وہاں۔ انہیں ذیل کے چند واقعات و تذکرات کا خلاصہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ خواہ مخواہ مضمون میں طوالت نہ ہو۔

اردشیر کا افسانہ

ساسان نے جو بہمن دراز دست کی پانچویں پشت سے تھا۔ شہزادہ پارس پاپک کے پاس شبانی (راست کا پہرہ) کی خدمت پر مامور رہتا۔ پاپک کو خواب میں معلوم ہوا۔ کہ ساسان شاہی نسل سے ہے تو اُس نے ساسان کو اعلیٰ عہدہ دیکر بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اردشیر اسی سے پیدا ہوا۔

پاپک نے اردشیر کو گود میں لیا جب وہ کچھ سیانا ہو گیا۔ تو اُس کی شجاعت و بہادری کا شہرہ پارتھیا کے آخری بادشاہ اردوان تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اُسے اپنے دارالخلافہ "رے" میں بُلا کر اپنا معزز درباری بنا لیا۔ ایک دن اردشیر نے گولی سے شکار کیا۔ مگر اس شکار کا مدعی اردوان کا بیٹا بن گیا۔ جسے اردشیر نے جھٹلا دیا۔ اس پر اردوان کو سخت غصہ آیا۔ اور اُسے ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنے شاہی اصطبل میں بھیجدیا۔ اردوان کی محرم راز ایک حسین و دانشمند لڑکی تھی۔ اُسنے اردشیر کی حالت پر رحم کھا کر دو تیز رفتار گھوڑے مہیا کیئے۔ ایک پر خود اور دوسرے گھوڑے پر اردشیر کو سوار کر کے شہزادہ پارس کی حکومت کا رخ کیا۔ شاہنامہ میں اردشیر کے ساتھ ایک نفیس مینڈھے کا بھی ذکر ہے جسے بلند اقبالی اور حکمران

ہونے کی علامت ظاہر کیا گیا ہے۔ اردشیر پارتھیوں سے جنگ کر کے
اردوان کو مع اسکے لڑکے کے شکست دیکر پارتھیا کی حکومت کا ہمیشہ
کے لئے خاتمہ کر دیتا ہے۔ مگر خود کردوں کے ہاتھوں شکست کھاتا ہے داستان
ہفتان بوخت میں کرمان کے بہتیاک کرم کی سرگذشت جس میں ہرک کی
لڑائی بھی شامل ہے۔ اردوان اپنی لڑکی کو جو اردشیر کے عقد میں آ چکی تھی۔
مذکورہ دشمنی کے باعث........ سزائے موت کا حکم سناتا ہے۔
لیکن وہ لڑکی موبد اعلیٰ کی مدد سے جسے طبری نے ابرسام لکھا ہے بچ جاتی
ہے۔ اسی لڑکی کے بطن سے شاہزادہ شاہ پور کے نام سے مشہور ہے۔ پیدا
ہوتا ہے۔ اردشیر ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کبد کے ذریعہ معلوم
ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اسکے خاندان میں رہے گا۔ یا اسکے دشمن
مہرک کے خاندان میں۔ تو وہ تخت ایران و بادشاہی ایران کو اپنے
خاندان کے لئے محفوظ کرنے کے لئے مہرک کی بیخ کنی کے درپے ہو جاتا
ہے۔ جنگ چھڑتی ہے۔ کسی طرح مہرک کی لڑکی اس خونریزی سے بچ جاتی
ہے۔ اور کسی دہقان کے گھر پرورش پا کر نوجوان ہوتی ہے۔ اتفاقاً شاہ پور
اسپر عاشق ہو کر اس سے خفیہ شادی کر لیتا ہے۔ اس شادی کے بعد مہرک
کی لڑکی سے شاہ پور کے ہاں ہرمزد نامی شہزادہ پیدا ہوتا ہے شاہ پور
اس شادی اور لڑکے کی پیدائش کو اردشیر سے پوشیدہ رکھتا ہے لیکن
جب یہ شہزادہ سات سال کا ہو کر چوگان بازی سے اپنی دلیری کا اظہار
کرتا ہے۔ تو شاہ پور اپنے پوتے کو پہچان لیتا ہے۔ شاہ نامہ کے ایک
باب میں دارا کی سکندر کے ہاتھوں شکست اور قتل کا ذکر ہے۔ اسمیں
دارا کے ایک بیٹے کا نام جو لڑائی میں بچ رہتا ہے۔ بڑا دانا اور پہلوان

تھا۔ اُس کا نام ساسان تھا۔ وہ ہندوستان میں جا کر مر گیا۔ اُسکا بیٹا بھی ساسان تھا۔ اور یہ نام چار نسلوں تک باپ سے بیٹے کو پہنچتا رہا۔ یہ لوگ شبانی اور ساربانی (اونٹ چلانا) کا کام کرتے اور زندگی کو سخت رنج و محنت سے گذارتے تھے۔ اس نسل کا آخری شہزادہ ملک پاپک کیطرف پھرتا پھراتا جنگل میں ایک گڈریئے سے ملکر ملازمت کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اسے بکریوں کا شبان اور پھر سرشبان مقرر کر لیتا ہے۔ پاپک کے بادشاہ بابک کو ایک خواب آتا ہے کہ ساسان جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ کہ گڈریئے کا ملازم ہوگیا تھا۔ ایک مست ہاتھی پر سوار ہاتھ میں ہندی تلوار لئے ہوئے ہے۔ جو شخص اسکے پاس آتا ہے اسکی تعظیم کرتا اور اس کے گن گاتا ہے۔

ساسان نے اپنی دانائی اور عدل و انصاف سے دنیا کو خوشحال سرسبز اور غمگین دلوں کو غم سے خالی کر دیا ہے۔ اسی طرح بابک کو پھر یہی خواب آیا۔ حتےٰ کہ ایک اور خواب میں اُسے ساسان نظر آتا ہے۔ کہ تین قسم کی آگ کو ہاتھ میں لئے جاتا ہے۔ یہ آگ گشتاسپ تھی۔ خراد تھی۔ مہر تھی۔ بہرام اور ناہید کی مانند روشن تھیں۔ سب ساسان کے آگے شعلے اگل رہی تھیں۔ اور ہر آگ میں عود لکڑی جل رہی تھی۔ اس خواب کی تعبیر بابک نے معبروں سے پوچھی تو انہوں نے کہا۔ کہ جو شخص خواب میں نظر آیا ہے وہ تخت شاہی کا مالک ہوگا یا اسکا بیٹا۔ چنانچہ بابک اس چرواہے ملازم کو (ساسان کو) بلا کر تنہائی میں بلا کر اُس کا حسب نسب دریافت کیا۔ ساسان نے جان بخشی اور عزت افزائی کا وعدہ لیکر بادشاہ کو اپنی کل حقیقت صاف صاف بیان کر دی۔ اور کہا کہ میں اردشیر بادشاہ

کا جسے بہمن بھی کہتے ہیں۔ پوتا ہوں۔ جو بادشاہ اسفندیار پسر گشتاسپ
کی نسل سے تھا۔ بابک ساسان کی موجودہ حالت کو سنکر رو پڑتا ہے اُسے
شاہی لباس۔ گھوڑا محل عطا کرکے اُسکی خدمت کے لئے ملازمین شاہی مقرر
کرتا ہے اور اس کی عزت و توقیر کو بڑھا کر مال و دولت سے بے نیاز کر دیتا
ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی لڑکی کی شادی کر دیتا ہے۔ اس لڑکی سے جو لڑکا
پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا نام بھی اردشیر رکھا جاتا ہے۔

اردشیر کا وجود تاریخی افسانوں سے گھرا ہوا ہے	فردوسی نے کامل دیانتداری اور محنت سے پہلوی افسانوں کو

استعمال کیا ہے۔ لیکن نولڈیکی نے ثابت کیا ہے۔ کہ ان افسانوں کو
فردوسی نے پہلوی متنوں (اصل مضامین) سے نہیں لیا ہے بلکہ انکے فارسی
ترجموں سے۔

۲۔ یہ کہ اردشیر شہنشاہ ایران (بن شاہ پابک) کی شخصیت کے
گرد افسانوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت ایران کا
بادشاہ تھا۔ اور ایک تاریخی آدمی۔ اسکی تصدیق نہ صرف۔ نوشتوں۔ بلکہ
اس دور کے سکوں کتبوں اور تاریخوں سے بھی ہوتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے
کہ اردشیر ہی کے زمانہ سے حالات ایران کتبات اور افسانوں سے نکلکر
تاریخ کی روشنی میں آجاتے ہیں۔ افسانہ سکندر محض خارجی افسانہ ہے۔
اسی نکتہ کو مشہور اسلامی مورخ الیعقوبی نے جو نویں صدی عیسوی
کے آخر میں گزرا ہے۔۔۔۔ خوب حل کیا ہے۔ اسکی تحقیق کی رائے
کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصائل

کے مالک تھے۔ لیکن ایک انسان کے متعدد منہ اور کئی آنکھیں اور وہ بھی تانبے کی کیسی ہو سکتی ہیں۔ اور کسی کے کندھوں پر (جیسا کہ ضحاک یا اژدہاک کے متعلق مشہور ہے) دو ناگ ہوں اور وہ آدمی کا بھیجا کھا کر جیتے ہوں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ کوئی بادشاہ صدیوں تک زندہ رہے اور انسان کو موت چھوڑ دے۔ الغرض اس قسم کی باتیں جو شاہان ایران قدیم کی بابت مشہور ہیں محض من گھڑت قصے اور افسانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ بلکہ خود مدبرین اور شرفا ایسے افسانوں کو بے بنیاد اور من گھڑت ٹھہراتے ہیں۔ اور

شاپور۔ اول اردشیر کا بیٹا۔ اسکی پیدائش اور شناخت کی بابت جو دل آویز افسانہ کارنامک شاہ نامے اور عربی تاریخوں میں درج ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں نمایاں ہونیکا یہ باعث تھا کہ اُسنے کامیاب حملوں سے رومیوں کو پے در پے شکستیں دیکر کافیہ تنگ کر دیا۔ اور بادشاہ ویلیرین کو زندہ گرفتار کر لیا۔

شاپور کے کتبے نقش رستم اور شاپور کی نقاشی اور بت تراشی انہی واقعات کی یادگاریں ہیں۔ شاپور کے کتبوں کے مطالعے سے کسی یونانی اسیر جنگ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حاجی آباد کا کتبہ تھامس۔ ویسٹ ہاگ اور دیگر محققین کے حاجی آباد کے کتبات کی تحقیق و تدقیق اور اس مسئلہ کے حل سے متعلق نقلیں (چربے فوٹو وغیرہ) مہیا کی ہیں اگرچہ آخرالذکر نے پہلوی کی تمام معلومات کتابت کو شائع کر کے بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ مگر ابھی اس مسئلہ کے حل میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ اور کتبوں کی حرف شناسی

اور اُن کے معانی سمجھنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ اس نے بعض کتبوں کی تشریح کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ انہیں سلاطین ساسان نے یہود و نصاریٰ کے خدا کو تسلیم کیا ہے۔ بھامس کے مفہوم اور دیگر محققین کے تراجم میں اتنا زبردست فرق ہے۔ کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف پرشیا کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ پر لکھتا ہے۔ کہ

"کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہنوز پہلوی حروف کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں پہنچی سبب مجھے بھامس کے نہ تو مائل بہ نصرانیت یقین اور نہ ڈاکٹر ھاگ کے تیز اندازی کے مضمون پر اعتبار، اگرچہ آخرالذکر اکثر اہل تحقیق کو اپنا ہم نوا کر چکا ہے۔ میں بےحجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں"

ہاگ اور ویسٹ کے ترجمے عام طور پر صحیح ہیں۔ اور بھامس پر ان دونوں کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ کہ وہ کتابی پہلوی سے بہرہ ور تھے ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ ہیں۔ جن میں سے نصف درجن الفاظ کے معانی ہنوز مشتبہ ہیں۔ اور یہ الفاظ وہ ہیں۔ جن کے باعث پورا مطلب اٹکا ہوا ہے۔

مانی اور اُسکی تعلیم | مذہب مانویہ کا بانی مانیز یا مانی دور پارتھوی کے اختتام پر پیدا ہوا یعنی ۲۱۶ئہ مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدھ مت کی تعلیمات سے بہت کچھ مواد حاصل کیا۔ لیکن بقول مورخ گبن اسکی تمام تر جد و جہد کا منشاء یہ تھا۔ کہ عیسائیت اور زرتشتیت کے عقائد کو باہم بغل گیر کرا دے۔ لیکن اسمیں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ ایک جانب سے ایرانی اور دوسری جانب سے عیسائی اُسکے مخالف بن گئے۔ عیسائیوں اور

زرتشتیوں نے اُسکے استیصال کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ اور ابتدا سے لیکر آخیر[1] تک اُسکا مذہب ظلم وستم کا تختۂ مشق بنا رہا۔ لیکن اسکے باوجود بھی ہزاروں اشخاص نے اس مذہب کو قبول کیا۔ مانی نے بادشاہ وقت شاپور کو اپنا ہمخیال بنانے کے لئے ایک کتاب لکھکر پیش کی۔ مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک نے اُسے نہایت بے دردی سے قتل کرا دیا۔

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ | مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں سے مل سکتا ہے لیکن مشرقی تصنیفات بالخصوص فہرست۔ البیرونی۔ ابن واضح الیعقوبی اور شہرستانی سینٹ آگسٹائن کی مغربی تالیف۔ اعمال آرکیلاس کی نسبت زیادہ قابل سند ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مانی مذہب کے کیا عقائد تھے جس کی وجہ سے تمام مذاہب اسکا استیصال کرنے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ عیسائیوں اور ایرانیوں کے علاوہ صرف مشرق میں آٹھویں صدی کے آخر میں عباسی خلیفہ المہدی نے ایک افسر تحقیقات مقرر کیا۔ جو صاحب الزنادقہ کہلاتا تھا۔ تاکہ وہ اُن لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دے۔ جو بظاہر مسلمان مگر درپردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے۔ لفظ زندیق جو مانی پیروؤں پر عائد ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دہریوں۔ اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

لفظ زندیق کا مفہوم | عام خیال ہے کہ لفظ زندیک فارسی کا اسم

[1] تیرھویں صدی عیسوی

صفت ہے۔ اور اسکے معنی ژند کا معتقد ہیں۔ یہ لفظ مانیوں کے لیئے اس لیئے تجویز کیا گیا۔ کہ وہ غیر مذاہب کی الہامی کتابوں کے معانی اپنی رائے کے مطابق لیتے تھے۔

لیکن پروفیسر بیون نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ مانوی مذہب دو گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک اونچا طبقہ جو افلاس۔ تجرد۔ اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیوں سے آزاد تھا۔ اور دوسرے گروہ کے لیئے جنہیں حکم تھا۔ کہ وہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں۔ حرص و ہوا کو ترک کریں۔ روزے رکھیں اور خیرات کریں۔ انکے لیئے لفظ صدیق تجویز کیا گیا تھا۔ دراصل اس لفظ کو آرامی زبان میں زدیقائے کہتے ہیں۔ جو فارسی زبان میں آکر زندیک ہو گیا۔ زدیقائے کی دال مشدد زندیک میں ن۔ د سے بدل گئی ہے۔

مانوی عقائد زرتشت نے لوگوں کو عصبیت۔ جنگ جوئی۔ مادیت شہنشاہی (امپیریلیزم) اقتدار اور تسلط کی تعلیم دی ہے۔ لیکن مانی نے بے تعصبی۔ تسلیم و رضا۔ زہد۔ اور بے نفسی کی ہدایت کی ہے یہی وجہ تھی۔ کہ زرتشت کے پیرو مانی کے جانی دشمن تھے۔ مانی نے عبرانی انبیاء کو اپنے نظام سے خارج کیا ہے۔ مگر زرتشت۔ اور مہاتما بدھ کو نبی مرسل تسلیم کرتا ہے۔ حضرت عیسٰے کو بھی اُسنے مان لیا ہے۔ مگر اُسے مصلوب تسلیم نہیں کرتا۔

الیعقوبی کا بیان زندیق مانی ابن حماد بن اردشیر کے عہد میں ظاہر ہوا۔ اس نے شاپور کے زرتشتی (آتش پرست مذہب کو باطل ٹھیرایا۔ اور اپنی تعلیم پیش کی۔ چنانچہ شاپور مائل ہو گیا۔ مانی کی تعلیم کا

لب لباب یہ تھا کہ کائنات میں دو چیزیں متصرف ہیں۔
ازلی۔ و ابدی۔ نور اور ظلمت۔
خالق دو ہیں۔ایک خالق خیر اور دوسرا شر۔
نور و ظلمات میں ہر ایک پانچ صفات یعنی۔ رنگ۔ ذائقہ۔ بو۔ لمس۔ (چھونا) اور صوت (آواز) سے متصف ہے۔ انہی کے ذریعہ وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں۔ جو کچھ اچھا اور مفید ہے اسکا منبع نور۔ اور برے کا ظلمت ہے۔
ابتدار میں یہ دو نو عناصر الگ تھے۔ بعد میں وہ باہم مل گئے اسکا ثبوت یہ ہے۔ کہ پہلے کچھ نہ تھا۔ بعد میں حوادث کا وجود ہوا۔ ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدار ہوئی۔ کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اس طرح متصل تھے۔ جیسے سایہ اور دھوپ وجہ یہ ہے کہ کسی دوسری چیز کے بغیر وجود میں لا نا ممکن نہیں۔ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی۔ یہ نا ممکن ہے کہ ابتدا نور کیطرف سے ہوئی ہو۔ کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ خیر و شر دو نو ازلی و ابدی ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اگر ایک شے کا وجود تسلیم کیا جائے۔ تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہو سکتے۔
مثلاً آگ گرم اور جلتی ہوئی چیز ہے۔ اس لئے وہ چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ لیکن جو چیز ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ وہ گرم نہیں کر سکتی۔ جو چیز باعث خیر ہو۔ وہ شر پیدا نہیں کر سکتی۔ جو فاعل شر ہے۔ وہ خیر پیدا نہیں کر سکتا اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دو نو عناصر زندہ اور عاقل ہیں۔ خیر ایک کا اور شر دوسرے کا نتیجہ ہے۔

گوتشا پور نے مانی کی تعلیمات کو تسلیم کر کے رعایا کو بھی ہمخیال بنانا چاہا لیکن اسکی رعایا اور سلطنت کے مدبروں نے متحد ہو کر بادشاہ کو ان عقائد سے ہٹانا چاہا۔ مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ مانی نے نور وظلمت کے ثبوت میں ایک مدلل کتاب "کنز الاحیا لقیقہ" کی۔ اسمیں اُسنے روح میں نور کے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ (برا) کا ذکر کیا۔ اور معیوب اعمال کو ظلمت ٹھیرایا۔ اسکی دوسری تصنیف "شا برقان" میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین و معائب (برائیاں) روح کا تذکرہ کیا۔ نیز اسمیں وہ آسمان کو سطح مسطح بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ زمین ایک ڈھلوان پہاڑ پر قائم ہے جس پر آسمان گردش کرتا ہے۔ مانی کی تیسری کتاب "کتاب الہدیٰ لتدبیر" و ایک صحف دوازدہ ہے۔ ان دونوں سے ہر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ہے۔ ان میں نماز اور راہ نجات کا ذکر ہے۔

پانچویں مشہور تصنیف سفر الاسرار ہے جس میں مانی نے پیغمبروں کے معجزات کو جھوٹے بتلایا ہے۔ اسکے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات بھی اسکی تصنیفات ہیں دس سال تک شاپور مانی کے مذہب پر چلتا رہا اسکے بعد ایک آتش پرست موبد شاپور کے پاس آ کر کہتا ہے۔ کہ تو نے اپنا ایمان بگاڑ لیا۔ اپنے بانی مذہب کو میرے سامنے لا تاکہ اس سے مناظرہ کر سکوں۔ موبد مذکور نے مناظرے میں مانی کو خاموش کرا دیا۔ جس سے شاپور ثنویت (مانی کا مذہب) سے باز آکر آتش پرست (زرتشتی) بن جاتا ہے۔ اور مانی اور اسکے مذہب کو جھوٹا سمجھکر مانی کے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ مانی ایران سے بھاگ کر ہندوستان چلا آتا ہے۔ جہاں وہ شاپور

کی وفات تک مقیم رہتا ہے۔ شاپور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز ایک سال حکومت کے بعد فوت ہوجاتا ہے۔ اُسکا بیٹا بہرام تخت نشیں ہوا۔ جو سیر و سیاحت عیش و عشرت کا دلدادہ اور حسن پرست تھا۔ نت نئے معشوق ڈھونڈ لاتا۔ مانی کے پیرو نے اُسے ہندوستان سے بلا بھیجا۔ ایران واپس آکر مانی نے پھر اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت شروع کردی۔ بہرام نے اُسے طلب کیکے اسکی تعلیم کا حال پوچھکر ایک زرتشتی موبد کو مانی سے مناظرے کے لئے بلایا۔ موبد نے کہا۔ کہ ہم دونوں اپنے اپنے پیٹ پر پگلا ہوا سیسہ ڈالیں۔ جو ضرر سے محفوظ رہیگا۔ وہی حق پر ہوگا۔ لیکن مانی نے جواب دیا۔ یہ فعل ظلمت کا ہے۔ یہ جواب سنکر بہرام سخت برہم ہوا۔ اُسنے مانی کو زندان میں ڈلواکر اُسکی کھال اتارنے کا حکم صادر کردیا۔ رات کو صبح تک اسکی کھال کھینچی گئی۔ حتےٰ کہ وہ صبح سے پہلے ہی مرگیا۔ صبح کو بہرام کے حکم سے مانی کے مردہ جسم سے سر قلم کیا گیا اور اسکے جسم میں بھُس بھردی گئی۔ اسکے معتقدوں پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔ سینکڑوں مانوی قتل کرادئے گئے۔ بہرام نے صرف تین سال حکومت کی۔ جرمن خاں فلوکل کے جرمنی ترجمہ میں مانی کے باپ کا نام فتق جو غالباً فارسی پاتک کا معرّب ہے۔ مانی کا وطن ہمدان تھا جہاں سے وہ ہجرت کرکے بابل آیا۔ مانی فرقہ منیڈ ایوں سے تھا۔ اسی باعث وہ یہودی مذہب اور بُت پرستی سے متنفر تھا۔ اسکی ماں کا نام کہیں مریم کہیں میس اور کہیں اوتا خیم کے نام سے موسوم ہے۔ اور اُسے آشکانیوں اور پارتھیوں کے شاہی خاندان سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مشرق میں مانویہ کی ترقی

اس سے پیشتر بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ مشرق میں خلیفہ المہدی کے وقت میں مانویوں کی تعداد اسقدر تھی۔

ہونے کی علامت ظاہر کیا گیا ہے۔ اردشیر پارتھیوں سے جنگ کر کے
اردوان کو مع اسکے لڑکے کے شکست دیکر پارتھیا کی حکومت کا ہمیشہ
کے لئے خاتمہ کر دیتا ہے۔ مگر خود کردوں کے ہاتھوں شکست کھاتا ہے داستان
ہفتان بوخت میں کرمان کے ہیتاک کرم کی سرگذشت جس میں مہرک کی
لڑائی بھی شامل ہے۔ اردوان اپنی لڑکی کو جو اردشیر کے عقد میں آ چکی تھی۔
مذکورہ دشمنی کے باعث......... سزائے موت کا حکم سناتا ہے۔
لیکن وہ لڑکی موبد اعلیٰ کی مدد سے جسے طبری نے ابرسام لکھا ہے۔ بچ جاتی
ہے۔ اسی لڑکی کے بطن سے شاہزادہ جو شاہ پور کے نام سے مشہور ہے۔ پیدا
ہوتا ہے۔ اردشیر ہندوستان کے ایک راجہ کیت یا کید کے ذریعہ معلوم
ہوتا ہے کہ ایران کا تخت یا تو اسکے خاندان میں رہے گا۔ یا اسکے دشمن
مہرک کے خاندان میں۔ تو وہ تخت ایران و بادشاہی ایران کو اپنے
خاندان کے لئے محفوظ کرنے کے لئے مہرک کی بیخ کنی کے درپے ہو جاتا
ہے۔ جنگ چھڑتی ہے۔ کسی طرح مہرک کی لڑکی اس خونریزی سے بچ جاتی
ہے۔ اور کسی دہقان کے گھر پرورش پاکر نوجوان ہوتی ہے۔ اتفاقاً شاہ پور
اسپر عاشق ہو کر اس سے خفیہ شادی کر لیتا ہے۔ اس شادی کے بعد مہرک
کی لڑکی سے شاہ پور کے ہاں ہرمزد نامی شہزادہ پیدا ہوتا ہے شاہ پور
اس شادی اور لڑکے کی پیدائش کو اردشیر سے پوشیدہ رکھتا ہے لیکن
جب یہ شہزادہ سات سال کا ہو کر چوگان بازی سے اپنی دلیری کا اظہار
کرتا ہے۔ تو شاہ پور اپنے پوتے کو پہچان لیتا ہے۔ شاہ نامہ کے ایک
باب میں دارا کی سکندر کے ہاتھوں شکست اور قتل کا ذکر ہے۔ اسمیں
دارا کے ایک بیٹے کا نام جو لڑائی میں بچ رہتا ہے۔ بڑا دانا اور پہلوان

تھا۔ اُس کا نام ساسان تھا۔ وہ ہندوستان میں جا کر مرگیا۔ اُسکا بیٹا بھی ساسان تھا۔ اور یہ نام چار نسلوں تک باپ سے بیٹے کو پہنچتا رہا۔ یہ لوگ شبانی اور ساربانی (اونٹ چلانا) کا کام کرتے اور زندگی کو سخت رنج و محنت سے گذارتے تھے۔ اس نسل کا آخری شہزادہ ملک پاپک کیطرف پھرتا پھراتا جنگل میں ایک گڈریئے سے ملکر ملازمت کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اسے بکریوں کا شبان اور پھر سرشبان مقرر کر لیتا ہے۔ پاپک کے بادشاہ بابک کو ایک خواب آتا ہے کہ ساسان جس کا اوپر ذکر ہوچکا ہے۔ کہ گڈریئے کا ملازم ہوگیا تھا۔ ایک مست ہاتھی پر سوار ہاتھ میں ہندی تلوار لئے ہوئے ہے۔ جو شخص اسکے پاس آتا ہے اسکی تعظیم کرتا اور اس کے گن گاتا ہے۔

ساسان نے اپنی دانائی اور عدل و انصاف سے دنیا کو خوشحال سرسبز اور غمگین دلوں کو غم سے خالی کر دیا ہے۔ اسی طرح بابک کو پھر بھی خواب آیا۔ جسکے کہ ایک اور خواب میں اسے ساسان نظر آتا ہے۔ کہ تین قسم کی آگ کو ہاتھ میں لئے جاتا ہے۔ یہ آگ گشتاسپ تھی۔ خرادتھی۔ مہر تھی۔ بہرام اور رناہید کی مانند روشن تھیں سب ساسان کے آگے شعلے اگل رہی تھیں۔ اور ہر آگ میں عود لکڑی جل رہی تھی۔ اس خواب کی تعبیر بابک نے معبروں سے پوچھی تو انھوں نے کہا۔ کہ جو شخص خواب میں نظر آیا ہے وہ تخت شاہی کا مالک ہوگا یا اسکا بیٹا۔ چنانچہ بابک اس چرواہے ملازم کو (ساسان کو) بلا کر تنہائی میں بلا کر اُس کا حسب نسب دریافت کیا۔ ساسان نے جان بخشی اور عزت افزائی کا وعدہ لیکر بادشاہ کو اپنی کل حقیقت صاف صاف بیان کر دی۔ اور کہا کہ میں اردشیر بادشاہ

کا جسے بہمن بھی کہتے ہیں۔ پوتا ہوں۔ جو بادشاہ اسفندیار پسر گشتاسپ کی نسل سے تھا۔ بابک ساسان کی موجودہ حالت کو سنکر دو بڑتا ہے اُسے شاہی لباس۔ گھوڑا محل عطا کرکے اسکی خدمت کے لئے ملازمین شاہی مقرر کرتا ہے اور اس کی عزت و توقیر کو بڑھا کر مال و دولت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی لڑکی کی شادی کر دیتا ہے۔ اس لڑکی سے جو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا نام بھی اردشیر رکھا جاتا ہے۔

اردشیر کا وجود تاریخی افسانوں سے گھرا ہوا ہے

فردوسی نے کامل دیانتداری اور محنت سے پہلوی افسانوں کو استعمال کیا ہے۔ لیکن نولڈیکی نے ثابت کیا ہے۔ کہ ان افسانوں کو فردوسی نے پہلوی متنوں (اصل مضامین) سے نہیں لیا ہے بلکہ انکے فارسی ترجموں سے۔

۲۔ یہ کہ اردشیر شہنشاہ ایران (بن شاہ بابک) کی شخصیت کے گرد افسانوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت ایران کا بادشاہ تھا۔ اور ایک تاریخی آدمی۔ اسکی تصدیق نہ صرف نوشتوں۔ بلکہ اس دور کے سکوں کتبوں اور تاریخوں سے بھی ہوتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اردشیر ہی کے زمانہ سے حالات ایران کتبات اور افسانوں سے نکلکر تاریخ کی روشنی میں آجاتے ہیں۔ افسانہ سکندر محض خارجی افسانہ ہے۔ اسی نکتہ کو مشہور اسلامی مورخ الیعقوبی نے جو نویں صدی عیسوی کے آخر میں گذرا ہے ... خوب حل کیا ہے۔ اسکی تحقیق کی رائے کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اہل ایران کا عقیدہ ہے کہ شاہان ایران فوق الفطرت خصائل

کے مالک تھے۔ لیکن ایک انسان کے متعدد منہ اور کئی آنکھیں اور وہ بھی تانبے کی کیسی ہو سکتی ہیں۔ اور کسی کے کندھوں پر (جیسا کہ ضحاک یا اژدہاک کے متعلق مشہور ہے۔) دو ناگ ہوں اور وہ آدمی کا بھیجا کھا کر جیتے ہوں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ کوئی بادشاہ صدیوں تک زندہ رہے اور انسان کو موت چھوڑ دے۔ الغرض اس قسم کی باتیں جو شاہان ایران قدیم کی بابت مشہور ہیں محض من گھڑت قصے اور افسانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ہیں۔ بلکہ خود مدبرین اور شرفا ایسے افسانوں کو بے بنیاد اور من گھڑت ٹھہراتے ہیں۔ اور

شاپور۔ اول اردشیر کا بیٹا۔ اسکی پیدائش اور شناخت کی بابت جو دل آویز افسانہ کارنامک شاہ نامے اور عربی تاریخوں میں درج ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ شاپور کا نام مغربی تاریخوں میں نمایاں ہونیکا یہ باعث تھا کہ اسنے کامیاب حملوں سے رومیوں کو پے درپے شکستیں دیکر کافیہ تنگ کر دیا۔ اور بادشاہ ویلیرین کو زندہ گرفتار کر لیا۔

شاپور کے کتبے نقش رستم اور شاپور کی نقاشی اور بت تراشی انہی واقعات کی یادگاریں ہیں۔ شاپور کے کتبوں کے مطالعے سے کسی یونانی اسیر جنگ کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حاجی آباد کا کتبہ ٹھامس۔ ویسٹ ہاگ اور دیگر محققین کے حاجی آباد کے کتبات کی تحقیق و تدقیق اور اس مسئلہ کے حل سے متعلق نقلیں (چربے فوٹو وغیرہ) مہیا کی ہیں اگرچہ آخرالذکر نے پہلوی کی تمام معلومات کتبات کو شائع کرکے بہت بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے مگر ابھی اس مسئلہ کے حل میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ اور کتبوں کی حرف شناسی

اور اُن کے معانی سمجھنے میں سخت دقت پیش آتی ہے۔ کیونکہ اُس نے بعض کتبوں کی تشریح کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ انہیں سلاطین ساسان نے یہود و نصاریٰ کے خدا کو تسلیم کیا ہے۔ بھامس کے مفہوم اور دیگر محققین کے تراجم میں اتنا زبردست فرق ہے۔ کہ لارڈ کرزن اپنی تصنیف پرشیا کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ پر لکھتا ہے۔ کہ

"کتبات حاجی آباد کے مختلف ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہنوز پہلوی حروف کی شناخت محققانہ درجے تک نہیں پہنچی۔ مجھے بھامس کے نہ تو مائل بہ نصرانیت یقین اور نہ ڈاکٹر ھاگ کے تیز اندازی کے مضمون پر اعتبار، اگرچہ آخرالذکر اکثر اہل تحقیق کو اپنا ہم نوا کر چکا ہے۔ میں بے حجابانہ جہالت کو ان خیال آفرینیوں سے زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں"

ہاگ اور ویسٹ کے ترجمے عام طور پر صحیح ہیں۔ اور بھامس پر ان دونوں کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ کہ وہ کتابی پہلوی سے بہرہ ور تھے ساسانی پہلوی عبارت کے ایک سو پندرہ الفاظ ہیں۔ جن میں سے نصف درجن الفاظ کے معانی ہنوز مشتبہ ہیں۔ اور یہ الفاظ وہ ہیں۔ جن کے باعث پورا مطلب اٹکا ہوا ہے۔

مانی اور اُسکی تعلیم مذہب مانویہ کا بانی مانیز یا مانی دور پارتھوی کے اختتام پر پیدا ہوا یعنی ۲۱۶ء مانی نے قدیم مذہب بابل اور بدھ مت کی تعلیمات سے بہت کچھ مواد حاصل کیا۔ لیکن بقول مورخ گبن اسکی تمام تر جد و جہد کا منشاء یہ تھا۔ کہ عیسائیت اور زرتشتیت کے عقائد کو باہم بغل گیر کرادے۔ لیکن اسمیں اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ ایک جانب سے ایرانی اور دوسری جانب سے عیسائی اُسکے مخالف بن گئے۔ عیسائیوں اور

زرتشتیوں نے اُسکے استیصال کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔ اور ابتدا سے لیکر آخیر[1] تک اُسکا مذہب ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا رہا۔ لیکن اسکے باوجود بھی ہزاروں اشخاص نے اس مذہب کو قبول کیا۔ مانی نے بادشاہ وقت شاپور کو اپنا ہمخیال بنانے کے لئے ایک کتاب لکھکر پیش کی۔ مگر شاپور کے جانشینوں میں سے ایک نے اُسے نہایت بے دردی سے قتل کرا دیا۔

حالات اور تعلیم مانی کے ماخذ	مانی کی تفصیل حیات اور تعلیم و تصنیف

کا حال مشرقی اور مغربی دونوں ماخذوں سے مل سکتا ہے۔ لیکن مشرقی تصنیفات بالخصوص فہرست۔ البیرونی۔ ابن واضح الیعقوبی اور شہرستانی سینٹ آگسٹائن کی مغربی تالیف۔ اعمال آرکیلاس کی نسبت زیادہ قابل سند ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مانی مذہب کے کیا عقائد تھے جس کی وجہ سے تمام مذاہب اسکا استیصال کرنے کے لئے کوشش کرنے لگے۔ عیسائیوں اور ایرانیوں کے علاوہ صرف مشرق میں آٹھویں صدی کے آخر میں عباسی خلیفہ المہدی نے ایک افسر تحقیقات مقرر کیا۔ جو صاحب الزنادقہ کہلاتا تھا۔ تاکہ وہ اُن لوگوں کا پتہ چلا کر سزا دے۔ جو بظاہر مسلمان مگر درپردہ مانی کے پیرو یا زندیق تھے۔ لفظ زندیق جو مانی پیروؤں پر عائد ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ بلکہ آج تک دہریوں۔ اور ملحدوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔

لفظ زندیق کا مفہوم	عام خیال ہے کہ لفظ زندیک فارسی کا اسم

[1] تیرھویں صدی عیسوی

صفت ہے۔ اور اسکے معنی ژند کا معتقد ہیں۔ یہ لفظ مانیوں کے لئے اس لئے تجویز کیا گیا۔ کہ وہ غیر مذاہب کی الہامی کتابوں کے معانی اپنی رائے کے مطابق لیتے تھے۔

لیکن پروفیسر بیے ون نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ مانوی مذہب دو گروہوں میں منقسم تھا۔ ایک ادنیٰ طبقہ جو افلاس۔ تجرد۔ اور مجاہدات مذہبی کے متعلق تمام پابندیوں سے آزاد تھا۔ اور دوسرے گروہ کے لئے جنہیں حکم تھا۔ کہ وہ افلاس کو تمول پر ترجیح دیں۔ حرص و ہوا کو ترک کریں۔ روزے رکھیں اور خیرات کریں۔ اُنکے لئے لفظ صدیق تجویز کیا گیا تھا۔ دراصل اس لفظ کو آرامی زبان میں زدیقائے کہتے ہیں۔ جو فارسی زبان میں آکر زندیک ہو گیا۔ زدیقائے کی دال مشدد زندیک میں ن۔ د سے بدل گئی ہے۔

مانوی عقائد زرتشت نے لوگوں کو عصبیت۔ جنگ جوئی۔ مادیت شہنشاہی (امپیریلزم) اقتدار اور تسلط کی تعلیم دی ہے۔ لیکن مانی نے بے تعصبی۔ تسلیم و رضا۔ زہد۔ اور بے نفسی کی ہدایت کی ہے یہی وجہ تھی۔ کہ زرتشت کے پیرو مانی کے جانی دشمن تھے۔ مانی نے عبرانی انبیاء کو اپنے نظام سے خارج کیا ہے۔ مگر زرتشت۔ اور مہاتما بدھ کو نبی مرسل تسلیم کرتا ہے۔ حضرت عیسٰے کو بھی اُسنے مان لیا ہے۔ مگر اُسے مصلوب تسلیم نہیں کرتا۔

الیعقوبی کا بیان زندیق مانی ابن حماد بن اردشیر کے عہد میں ظاہر ہوا۔ اس نے شاپور کے (زرتشتی) آتش پرست مذہب کو باطل ٹھیرایا۔ اور اپنی تعلیم پیش کی۔ چنانچہ شاپور مائل ہو گیا۔ مانی کی تعلیم کا

لب لباب یہ تھا کہ کائنات میں دو چیزیں متصرف ہیں۔
ازلی۔ و ابدی۔ نور اور ظلمت۔
خالق دو ہیں۔ ایک خالق خیر اور دوسرا شر۔
نور و ظلمات میں ہر ایک پانچ صفات یعنی۔ رنگ۔ ذائقہ۔ بو۔ لمس۔ (چھونا) اور صوت (آواز) سے متصف ہے۔ انہی کے ذریعہ وہ سنتے دیکھتے اور علم حاصل کرتے ہیں۔ جو کچھ اچھا اور مفید ہے اسکا منبع نور۔ اور برے کا ظلمت ہے۔
ابتدار میں یہ دو نو عناصر الگ تھے۔ بعد میں وہ باہم مل گئے اسکا ثبوت یہ ہے۔ کہ پہلے کچھ نہ تھا۔ بعد میں حوادث کا وجود ہوا۔ ظلمت کی طرف سے اس آمیزش کی ابتدار ہوئی۔ کیونکہ پہلے وہ ایک دوسرے سے اس طرح متصل تھے۔ جیسے سایہ اور دھوپ وجہ یہ ہے کہ کسی دوسری چیز کے بغیر وجود میں لانا ممکن نہیں۔ ظلمت و نور کی آمیزش آخرالذکر کے لئے مضر تھی۔ یہ ناممکن ہے کہ ابتدا نور کیطرف سے ہوئی ہو۔ کیونکہ نور فطرتاً خیر ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ خیر و شر دونو ازلی و ابدی ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ اگر ایک شے کا وجود تسلیم کیا جائے۔ تو اس سے دو متضاد فعال پیدا نہیں ہو سکتے۔
مثلاً آگ گرم اور جلتی ہوئی چیز ہے اس لئے وہ چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ لیکن جو چیز ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ وہ گرم نہیں کر سکتی۔ جو چیز باعث خیر ہو۔ وہ شر پیدا نہیں کر سکتی۔ جو فاعل شر ہے۔ وہ خیر پیدا نہیں کر سکتا اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دونو عناصر زندہ اور عامل ہیں۔ خیر ایک کا اور شر دوسرے کا نتیجہ ہے۔

گوشا پور نے مانی کی تعلیمات کو تسلیم کر کے رعایا کو بھی ہمخیال بنانا چاہا لیکن اسکی رعایا اور سلطنت کے مدبروں نے متحد ہو کر بادشاہ کو ان عقائد سے ہٹانا چاہا۔ مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ مانی نے نور و ظلمت کے ثبوت میں ایک مدلل کتاب "کنز الاحیا لعتیف" کی۔ اسمیں اُسنے روح میں نور سے عمل حسنہ اور ظلمت کے اثر شنیعہ (بُرا) کا ذکر کیا۔ اور معیوب اعمال کو ظلمت ٹھہرایا۔ اسکی دوسری تصنیف "شابرقان" میں نجات یافتہ روح اور رفیق شیاطین و معائب (برائیاں) روح کا تذکرہ کیا۔ نیز اسمیں وہ آسمان کو سطح مسطح بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ زمین ایک ڈھلوان پہاڑ پر قائم ہے جس پہ آسمان گردش کرتا ہے۔ مانی کی تیسری کتاب "کتاب الہدیٰ لتدبیر" و ایک صحیفے دوازدہ ہے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کا نام تہجی کے ایک ایک حرف پر ہے۔ ان میں نماز اور راہ نجات کا ذکر ہے۔

پانچویں مشہور تصنیف سفر الاسرار ہے جس میں مانی نے پیغمبروں کے معجزات کو جھوٹے بتلایا ہے۔ اسکے علاوہ کئی اور کتابیں اور ملفوظات بھی اسکی تصنیفات ہیں دس سال تک شاپور مانی کے مذہب پر چلتا رہا اسکے بعد ایک آتش پرست موبد شاپور کے پاس آکر کہتا ہے۔ کہ تونے اپنا ایمان بگاڑ لیا۔ اپنے بانی مذہب کو میرے سامنے لا تاکہ اس سے مناظرہ کر سکوں۔ موبد مذکور نے مناظرے میں مانی کو خاموش کرا دیا۔ جس سے شاپور ثنویت (مانی کا مذہب) سے باز آکر آتش پرست (زرتشتی) بن جاتا ہے۔ اور مانی اور اسکے مذہب کو جھوٹا سمجھکر مانی کے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ مانی ایران سے بھاگ کر ہندوستان چلا آتا ہے۔ جہاں وہ شاپور

کی وفات تک مقیم رہتا ہے۔ شاپور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز ایک سال حکومت کے بعد فوت ہو جاتا ہے۔ اُسکا بیٹا بہرام تخت نشین ہوا۔ جو سیر و سیاحت عیش و عشرت کا دلدادہ اور حسن پرست تھا۔ نت نئے معشوق ڈھونڈ لاتا۔ مانی کے پیرو نے اُسے ہندوستان سے بلا بھیجا۔ ایران واپس آکر مانی نے پھر اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی۔ بہرام نے اُسے طلب کر کے اسکی تعلیم کا حال پوچھکر ایک زرتشتی موبد کو مانی سے مناظرے کے لئے بلایا۔ موبد نے کہا۔ کہ ہم دونوں اپنے اپنے پیٹ پر پگلا ہوا سیسہ ڈالیں۔ جو ضرر سے محفوظ رہیگا۔ وہی حق پر ہوگا۔ لیکن مانی نے جواب دیا۔ یہ فعل ظلمت کا ہے۔ یہ جواب سنکر بہرام سخت برہم ہوا۔ اُسنے مانی کو زندان میں ڈلوا کر اُسکی کھال اتزانے کا حکم صادر کر دیا۔ رات کو صبح تک اسکی کھال کھینچی گئی۔ حتیٰ کہ وہ صبح سے پہلے ہی مر گیا۔ صبح کو بہرام کے حکم سے مانی کے مردہ جسم سے سر قلم کیا گیا اور اسکے جسم میں بھس بھر دی گئی۔ اسکے معتقدوں پر سخت مظالم ڈھائے گئے سینکڑوں مانوی قتل کرا دئے گئے۔ بہرام نے صرف تین سال حکومت کی۔ جرمن خاں فلوکل کے جرمنی ترجمہ میں مانی کے باپ کا نام فتق جو غالباً فارسی پاتک کا معرّب ہے۔ مانی کا وطن ہمدان تھا جہاں سے وہ ہجرت کر کے بابل آیا۔ مانی فرقہ مینڈایوں سے تھا۔ اسی باعث وہ یہودی مذہب اور بت پرستی سے متنفر تھا۔ اسکی ماں کا نام کہیں مریم کہیں میس اور کہیں اوتاخیم کے نام سے موسوم ہے۔ اور اُسے آشکانیوں اور پارتھیوں کے شاہی خاندان سے ظاہر کیا گیا ہے۔

مشرق میں مانویہ کی ترقی اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ مشرق میں خلیفہ المہدی کے وقت میں مانویوں کی تعداد اسقدر تھی۔

کہ حکومت کی طرف سے ایک خاص افسر مقرر کیا گیا تھا۔ کہ وہ انہیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرے۔ مصنف الفہرست صرف بغداد میں ۳۰۰ آدمیوں کو جانتا تھا۔ جو مانوی مذہب کے پیرو تھے۔ اور البیرونی اُنکی تصنیفات خصوصاً شاپورقان (جو پہلوی میں لکھی گئی تھی) سے واقف تھا۔ اُسنے بعض اقتباسات بھی نقل کیئے ہیں۔

مانی کی کتاب کا اقتباس

نوع انسان کی رہبری کے لئے خدا کے رسول وقتاً فوقتاً دنیا میں آتے ہیں۔ ہندوستان میں مہاتما بدھ، ایران میں زرتشت اور مغرب میں حضرت عیسےٰ تشریف لائے۔ اُنکے بعد آخری زمانے میں یہ وحی اور پیشن گوئی خدا کے رسول مانی کے پاس بابل میں اُتری

مانویوں کا نقل مکان

فرقہ مانی وہ پہلا گروہ ہے۔ جو بلاد ماوراالنہر میں داخل ہوا۔ اُس کا سبب یہ تھا کہ جبوقت بہرام نے مانی کو قتل و مصلوب کیا۔ اُسوقت اُسنے پیروان مانی کو جہاں پایا قتل کر دیا۔ جسکے باعث یہ لوگ ایران سے بھاگ کر دریائے بلخ کو عبور کر کے ولائت خاں میں آباد ہو گئے خان۔ (یا خاقان) ان کی زبان کا وہ لقب ہے۔ جو ترک بادشاہوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ یہ لوگ کافی عرصہ تک بلاد ماوراالنہر میں مقیم رہے حتےٰ کہ آل ساسان کو زوال آ گیا۔ بالخصوص جب ایران کے اجزا پراگندہ تھے۔ اور بنی اُمیہ کو خلافت مل چکی تھی۔ خالد بن عبداللہ القسری نے انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ لیکن اس فرقے کی امارت کا عہدہ سوائے بابل کے کسی جگہ قائم نہ ہو سکا۔ مانویوں کا آخری اخراج خلیفہ المقتدر کے زمانے میں ہوا۔ جبکہ وہ جان کے خوف سے خراسان چلے گئے۔ باقی جو بچے۔ وہ اپنا مسلک چھپاتے رہے۔ ایک دفعہ وہ تقریباً پانچسو کی تعداد میں بمقام سمرقند

جمع ہوئے۔ اور اُنکے عقائد کا حال کھل گیا۔ خراسان کے گورنر نے انکے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر خاقان چین نے گورنر خراسان کو لکھا۔ کہ اگر تم نے میرے ہم مذہبوں کو قتل کیا۔ تو میں انتقاماً اُن مسلمانوں کو (جو میری سلطنت میں موجود ہیں) تہ تیغ کر دونگا۔ اس بنا پر والئے خراسان نے اُنکو چھوڑ دیا اور صرف جزیہ لینے پر اکتفا کیا۔

مانویہ کے مختلف طبقے اور اُن کے فرائض پیروان مانی پانچ طبقوں میں تقسیم تھے۔

(۱) معلمون! اساتذہ جو انبار الحلم کہلاتے تھے۔

(۲) شمسون! یہ انبار العلم کہلاتے تھے۔

(۳) قسیون! (مذہبی پیشوا) جو انبار العقل کہلاتے تھے۔

(۴) صدیقون! (صاحبان ایمان) جو انبار الغیب کہلاتے تھے۔

(۵) سماعون! (سننے والے) جو انبار الفطنۃ کہلاتے تھے۔

ان کے لئے نماز چہار گانہ یا ہفت گانہ فرائض میں داخل تھی۔ اور بت پرستی۔ جھوٹ۔ بخل۔ قتل۔ زنا۔ چوری۔ تعلیم حیل و سحر۔ ریائی الدین۔ اور فرائض میں سستی سے بچنے کا حکم تھا۔ مانی کی وفات کے بعد اُسکے مذہب میں کئی فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جن میں سے مہریہ اور مقلاصیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مانی کی کتابوں میں سے چھ سریانی اور ایک پہلوی میں تحریر تھی۔ لیکن اُنکا رسم الخط جسے مصنف نے خود ایجاد کیا تھا۔ نہایت عجیب و غریب تھا۔ مانیوں نے اپنے رسم الخط اور عموماً فن کتابت پر بہت کاوش اور توجہ کی ہے۔

ارژنگ مانی کا افسانہ ایران میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ مانی

ایک اعلے درجے کا مصور تھا۔ آج بھی اہل ایران کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مانی نے ارژنگ یا ارتنگ نامی ایک کتاب التصاویر تیار کی تھی۔ اور اُسکی وہ اپنی فوق البشر طاقت اور ربانی سفارت کے ثبوت میں پیش کرتا تھا۔

نوشیرواں اور مزدک

سیرت نوشیرواں اہل ایران آجتک نوشیرواں کو عادل کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور اُسے شاہانہ صفات کا کامل نمونہ سمجھتے ہیں۔ نوشیرواں نے یہ لقب عدل و انصاف کی بدولت حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اہل بدعت کے قتل و استیصال کے صلے میں مجوسی پیشواؤں نے اُسکو عطا کیا تھا۔ کوئی شخص نوشیرواں کی بابت یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ متعصب مذہبی دیوانہ تھا۔ بلکہ وہ مذاہب غیر کی باتیں اور مسائل و فلسفہ حکایتیں شوق اور دلچسپی سے سنتا تھا۔ اِس لحاظ سے وہ خلیفہ مامون رشید اور شہنشاہ اکبر کا ہم مذاق معلوم ہوتا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے۔ کہ مزدکیوں کے استیصال۔ رومیوں کی سرکوبی۔ قومی اغراض اُسکے دانشمندانہ آئین اور اُسکے عہد کی سرسبز اور مرفہ حالت نے ایشیا میں اُسکے نام کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ لیکن یورپ میں اُسکی شخصیت نے اِس لحاظ سے اپنا رنگ جمایا ہے۔ کہ اُس نے یونانی فلاسفروں کا (جو شہنشاہ جسٹی کی مذہبی تنگ نظری سے اپنے وطن سے بھاگ نکلے تھے) اپنے دربار میں خیر مقدم کیا۔ اور رومیوں کو شکست دیکر جب صلح نامہ مرتب کیا۔ تو اُسمیں یہ مخصوص دفعہ رکھی۔ کہ اگر یونانی علماء اپنے وطن

واپس جائیں۔ تو انہیں آزادی دی جائے۔ اسکے علاوہ وہ علوم وفنون کا دلدادہ تھا۔ اُسنے جندی شاپور میں ایک زبردست طبیہ مدرسہ قائم کیا۔ اور سنسکرت اور یونانی کتابوں کا ترجمہ پہلوی زبان میں کرایا۔ اسلیئے اہل یورپ کا مقولہ تھا۔ کہ ایران کے تخت پر افلاطون کا شاگرد جلوہ آرا رہے۔

افلاطونیات جدید | سب جانتے ہیں۔ کہ تاریخی زمانے میں یونان کے علمی اور فلسفی خیالات سے اہل مشرق زیادہ تر آل عباس کے ابتدائی دور حکومت میں روشناس ہوئے۔ مامون بن ہارون رشید کا عہد اس لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ نوشیروانی حکومت میں ان علوم کی ابتدا ہو چکی تھی۔ نوشیرواں عیسائیوں سے اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ اگرچہ نوشیرواں تعلیم عیسائیت کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ گو پراگیری اسس اور سی۔ بی اوس نے دعوٰے کیا ہے۔ کہ وفات سے پہلے نوشیرواں خفیہ طور پر مذہب عیسائیت پر مائل ہو گیا تھا۔ لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے۔

مزدک | مزدک کے متعلق جسقدر حالات ملتے ہیں۔ اُن کو نولڈیکی نے نہایت احتیاط سے جمع کر کے اپنی معرکتہ الآرا تاریخ آل ساسان کے ضمیمہ نمبر ۴ میں قلمبند کر دیئے ہیں۔

مزدک کی تعلیم | مزدک کی تعلیم کا منشا اشتراکیت تھا۔ جو اعتقادات مزدک سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ دراصل اسی کے دماغ کا نتیجہ ہیں۔ گو بعض ماخذوں میں لکھا ہے۔ کہ ان کا اصل بانی زرادشت بن خرگان ہے۔

مزدک کے خیال میں ہر ایک بڑے فعل کا سرچشمہ حسد۔ لالچ۔ اور غصہ ہے۔ انہیں تین افعال نے خدا کی مرضی اور حکم کے خلاف مساوات انسانی کو

فنا کر رکھا ہے۔ از سر نو اس مساوات کا قائم کرنا مزدک کا اہم ترین مقصد تھا۔ رہبانیت کا عنصر جس حد تک مذہب مانی میں تھا۔ مزدک کے مذہب میں بھی موجود تھا۔

مزدکیوں کا عروج و زوال

بادشاہ (قباد) یا کواذ نے بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر مزدک کی تعلیم کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اسکے بعد اسکے خیالات میں زبردست انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور مزدکیوں کے ساتھ اس کا سلوک بدل گیا۔ تاریخی شواہد سے موازنہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام روایات مزدکیوں کے جس قتل کو خسرو اول سے منسوب کرتی ہیں۔ اور جس کے سبب سے وہ نوشیروان (انوشک روبان) کے اعزاز سے ملقب ہوا وہ کواذ کے آخر عہد کا واقعہ ہے۔ سیاست نامہ نظام الملک طوسی کے بیان کے مطابق اسطرح ہے۔ کہ شہزادہ نوشیرواں نے جب اپنے والد کواذ کے سامنے مزدک کی فتنہ پردازی اور شعبدہ بازی کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اور اس کے بعد شہزادے نے مزدک کو دھوکہ دینے کے لئے اس پر ایمان لے آیا۔ اور شاہی باغ میں ایک عظیم الشان دعوت کا انتظام کیا۔ اس نے مزدک سے کہہ دیا۔ کہ وہ اپنے تمام پیروؤں کو دعوت میں شامل ہونے کے لئے کہدے۔ تاکہ میں سب کے سامنے اعلانیہ اقرار کر دوں۔ چنانچہ تمام مزدکیوں کے نام دعوت نامے جاری کر دئے گئے۔ لیکن جس وقت مزدکیوں کے گروہ باغ میں داخل ہوتے۔ سپاہی انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیتے۔ اور بعد میں انکا سر اور دھڑ زمین میں دفن کر کے پاؤں زمین سے باہر رہنے دیتے۔ اسی طرح جب سارے مزدکی زمین میں پیوند ہو گئے۔ تو شہزادہ نوشیرواں نے مزدک کو طلب کر کے اپنے ایوان خاص میں بٹھایا۔ دعوت میں ذرا دیر تھی۔

اس لئے وقت کاٹنے کے بہانے اُسنے مزدک کو کہا۔ کہ آؤ تمہیں اپنے باغ کی پیداوار دکھاؤں۔ جب یہ دونوں باغ میں داخل ہوئے تو نوشیروان نے اُبھٹی ہوئی ٹانگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ دیکھ یہ تیری مذموم تعلیم کی فصل کھڑی ہے۔ اِسکے بعد اُسکے سپاہیوں نے مزدک کو پکڑ کر زمین میں زندہ گاڑ دیا۔

مزید حالات مزدک کے پیرو خواہ کتنی ہی قلیل تعداد میں ہوں۔ یہ کبھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کہ پورا فرقہ ایک ہی دن میں زمین میں پیوند کر دیا گیا۔ گو اسکے بعد اس فرقے کا وجود اعلانیہ نہ رہا۔ لیکن خفیہ طور پر لوگ اس فرقے کو فروغ ہوتا رہا۔ جسکی تائید نظام الملک طوسی نے اپنی بہترین تصنیف سیاست نامے میں کی ہے۔

اُنہوں نے لکھا ہے۔ فرقہ باطنیہ اور اسماعیلیہ بلا واسطہ مزدک کا جانشین ہے

آل ساسان کا زوال اور بدشگونیاں نوشیرواں کے دراز اور ممتاز دور حکومت میں کوئی سال ایسا نتیجہ خیز اور واقعات سے لبریز نہیں گذرا جیسا کہ بیالیسواں سال جسے اہل عرب "عام فیل" کہتے ہیں۔ نوشیرواں نے بڑے بڑے معرکوں کے بعد یمن کی حکومت کو ایران میں داخل کر کے عجمی پرستاران شہنشاہیت کے لئے ناز و مسرت کا سامان پیدا کیا۔ لیکن دوسری طرف جب مکہ معظمہ میں بانئے اسلام (حضرت محمد صلعم) پیدا ہوئے۔ تو آپکی ولادت کی شب کو تاجدار عجم کا محل زلزلے سے لرز گیا۔ یہاں تک کہ اُسکے چودہ کنگرے زمین پر گر پڑے مقدس آگ جو ایک ہزار برس سے جل رہی تھی۔ بجھ گئی۔ اور سارا جھیل کا پانی یکا یک خشک ہو گیا۔ اِسکے علاوہ امراء و وزراء کو عربوں کے تسلط کے

ہیبتناک خواب نظر آنے لگے۔

چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کے سیاسی تعلقات

عرب کے مغرب میں غسان کی حکومت تھی۔ وسط عرب کے باشندے باہم قبیلوں میں منقسم ہو کر آسمان کے سائے تلے زندگی بسر کرتے تھے۔ قتل خونریزی۔ شراب نوشی اُن کا خاص شغل تھا۔ یمن میں ذونواس کی حکومت تھی جو پہلے عیسائی تھا۔ مگر تخت نشینی کے بعد یہودی ہو گیا۔ اُس نے مذہبی جوش میں یہودیت قبول نہ کرنے کی صورت میں عیسائیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔

حبشیوں کا یمن فتح کرنا

جب ذونواس کے عیسائیت کش مظالم کی خبر حبشہ پہنچی۔ تو حبش کے شاہ نجاشی نے انتقام لینے کے لئے یمن پر چڑھائی کر کے شکست فاش دی۔ جب ذونواس کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا۔ تو وہ اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے دنیا سے روپوش ہو گیا۔ اور فاتح یمن ارباط تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ لیکن ابھی ارباط کو تخت نشین ہوئے تھوڑا عرصہ گذرا تھا۔ کہ اُس کے نائب ابرہہ نے دھوکے سے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابرہہ کی مہم اور مکہ پر چڑھائی

ابرہہ نے سوچا کہ یمن کے پایہ تخت صنعا میں ایک عظیم الشان معبد تیار کرنا چاہئے۔ تاکہ خانہ کعبہ سے لوگوں کا میلان کم کر دیا جائے۔ مگر عربوں کو اُسکی یہ جدت ایک آنکھ نہ بھاتی تھی جب معبد تیار ہو گیا۔ تو ایک کاہن عرب نے چپکے سے داخل ہو کر معبد کی بہت بے حرمتی کی۔ ابرہہ اِس فعل سے نہایت برہم ہوا۔ اُس نے قسم کھا کر کہا۔ کہ میں انتقاماً مکہ معظمہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ چنانچہ اُس نے ایک

کثیر فوج لیکر مکہ پر چڑھائی کی۔ اور حضرت عبد المطلب (جو عرب کے مشہور و معزز قبیلہ قریش کے سردار اور خانہ کعبہ کے خاص محافظ تھے) کے دوسو اونٹ قبضہ میں کر لیئے۔ اور شہر کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت عبد المطلب نے ابرہہ سے نہایت سلیقے سے گفتگو کی۔ جس سے ابرہہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے مترجم کے ذریعے اُنکو درخواست عطیات کے لیئے کہا۔ عبد المطلب نے جواب دیا۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ بادشاہ میرے وہ دوسو اونٹ واپس دے دے۔ جو اُس نے قبضہ میں کر لیئے ہیں۔ ابرہہ متعجب ہوکر بولا۔ آپکو دوسو اونٹوں کی پڑی ہے۔ لیکن اُس معبد کا کچھ فکر نہیں۔ جو تمہارے بزرگوں کا عبادت خانہ ہے۔ اور جسے توڑنے کے لیئے میں اتنی مہم ساتھ لایا ہوں۔ حضرت عبد المطلب نے جواب دیا۔ کہ اونٹوں کا مالک میں ہوں۔ اور معبد کا مالک خدا ہے۔ وہ خود اس کی فکر کرے گا۔ ابرہہ نے کہا۔ وہ اسکو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکتا۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ اُسکو کس نے دیکھا ہے۔ مجھکو میرے اونٹ واپس دے دو۔

اونٹ لیکر عبد المطلب اپنے ساتھیوں سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھے۔ اور جانے سے پیشتر کعبۃ اللہ کی زیارت کو گئے۔ اور بیرونی دروازہ کے عظیم الشان حلقہ کو ہاتھ میں لیکر دعا مانگی۔ اے پروردگار دو عالم غنیم کے مقابلے کے لیئے تیری مدد چاہتا ہوں۔ تیرے گھر کا دشمن تیرے مقابلے پر آیا ہے۔ تو اپنے شہر کو اُسکے تباہ کن ہاتھ سے بچا۔

دوسرے دن جب ابرہہ فوج لیکر کعبۃ اللہ کو گرانے کی نیت سے چلا تو ہاتھیوں کی فوج جو سب سے آگے تھی۔ خانہ کعبہ کے قریب پہنچ کر سجدے میں گر گئی۔ اور کعبۃ اللہ کی طرف قدم بڑھانے سے انکار کر دیا۔ مہاوتوں نے بہتیرے آنکس مارے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آخر ابرہہ نے مجبوراً فوج کو پیدل حملہ کرنے

کا حکم دیا۔ جب ابرہہ کی فوج آگے بڑھنے کے لئے تیار ہوئی۔ تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے آسمان پر ابابیلیں نمودار ہوئیں۔ جنکی چونچوں میں کنکریاں تھیں۔ اُنھوں نے وہ کنکریاں فوج ابرہہ پر برسائیں جس سپاہی کو وہ کنکر لگی۔ وہ اسی جگہ مرگیا۔ حتیٰ کہ تمام فوج نیست و نابود ہوگئی۔

اس قصے کی تاریخی بنیاد

مغربی محققین کی رائے ہیں اس قصے کی بنیاد ایک اصلی واقعے پر مبنی ہے۔ وہ کلام پاک سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ عین اُسوقت ابرہہ کی فوج کو چیچک کی ایک ناگہانی اور شدید وبا نے ناپاک حملہ آوروں کو ہلاک کر دیا۔ اور اہل عرب اس ناگہانی یورش کو معجزہ خیال کرتے ہیں۔

سیف بن ذی یزن کی شاہ ایران سے استمداد

ابرہہ کے بعد اُسکا بیٹا مسروق تخت پر بیٹھا لیکن اہل یمن نے اپنا ایک سفیر ایران کی طرف بھیجا۔ تاکہ شہنشاہ ایران حملہ کر کے اہل حبش کے تسلط سے اہل یمن کو نجات دے۔ جب یمنی سفیر دربار ایران میں پہنچا۔ تو اُسنے نوشیرواں کو مدد کے لئے کہا۔ مگر نوشیرواں نے جواب دیا۔ کہ تمہارے ملک میں سوائے اونٹ یا بھیڑ بکری کے اور کوئی چیز نہیں جسکے لئے ہم اسقدر تکلیف اٹھا کر فتح کریں۔ چنانچہ نوشیرواں نے یمنی سفیر کو دس درہم اور خلعت فاخرہ دیکر رخصت کیا۔

جب یمنی سفیر محل سے باہر نکل رہا تھا۔ تو اُسنے وہ تمام درہم شاہی غلاموں کو بانٹ دئے۔ نوشیرواں کو جب سفیر کے گستاخانہ سلوک کا پتہ لگا۔ تو اُس نے سفیر کو بلا کر اسکی وجہ پوچھی۔ سفیر نے جواب دیا۔ کہ میرے ملک میں تو چاندی اور سونے کے پہاڑ ہیں۔ میں ان درہموں کو کیا کروں گا

نوشیرواں نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ اُن تمام قیدیوں کو جنہیں پھانسی کی سزا مل چکی ہے۔ یمن کی مہم پر بھیجدیا جائے۔ کیونکہ شکست ہونے کی صورت میں سلطنت کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک تجربہ کار جرنیل کی زیر قیادت اُن تمام قیدیوں کو یمن بھیج دیا گیا۔ جنہوں نے عربوں کے ساتھ مل کر اہل یمن کو شکست فاش دی۔ اِس طریقے سے یمن کا علاقہ ایران میں شامل ہو گیا۔

اِن واقعات کے بعد نوشیرواں کو پیغام اجل آپہنچا۔ نوشیرواں کی وفات کے بعد ایران میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ سال کے عرصہ حکومت میں گیارہ تاجدار موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ حتّٰے کہ آخری تاجدار خسرو پرویز تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ جب بانئے اسلام (حضرت محمد صلعم) نے اسلام کی دعوت دی لیکن خسرو پرویز نے فرمان مصطفیٰ کے ساتھ نہایت گستاخانہ روش اختیار کر کے فرمان پرزے پرزے کر دیا۔ اِس پر اسلامی سفیر نے بلند آواز سے کہا کہ اے ناپاک بادشاہ جسطرح تو نے خدا کے رسول کے فرمان کو پرزے کئے ہیں۔ اسیطرح اللہ تعالےٰ تیری سلطنت کے ٹکڑے کرے گا۔ غرض اسکے بعد خسرو پرویز کو نہایت ہیبتناک خواب نظر آنے لگے جسمیں اُسکی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے۔

جنگ ذوقار ذوقار کی لڑائی جو ۶۰۴ اور ۶۱۵ کے درمیان ہوئی۔ اِسمیں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور عربوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

باب پنجم

نجاشی (شاہ حبشہ) کا مہاجرین اسلام کو اپنے روبرو طلب کرنا

اور اُن سے اسلام کے متعلق سوال اور مسلمانوں کے جوابات۔

نجاشی نے مہاجرین سے پوچھا! تمہارا مذہب کیا ہے۔ جسکی خاطر تم نے اپنے ملک اور برادران کو چھوڑ دیا ہے۔ نہ تم ہمارے مذہب کو اختیار کرتے ہو نہ دوسرے کسی مذہب کی طرف دھیان دیتے ہو۔

جعفرؓ ابن ابی طالب کا جواب شاہ نجاشی کو

اے بادشاہ ہم سب بڑے وحشی تھے۔ نہایت ذلیل و شرمناک کام کرتے۔ بت پرستی اور شراب نوشی کرتے تھے۔ ہم سے طاقتور کمزوروں کو دباتا الغرض دنیا بھر کے عیوب میں مبتلا تھے۔ کہ خدا نے ہماری حالت پر رحم کھایا اور ہماری ہی قوم میں سے ہی ایک شخص جس کے حسب ونسب دیانت وصداقت پاک زندگی سے ہم واقف تھے۔ ہم پر رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ وہ ہم کو گمراہوں سے ہٹا کر راہ توحید دکھلائے۔ اور ہماری اصلاح دین و دنیا کرے۔ بت پرستی اور دیگر بری عادتوں کو چھوڑ دیں۔ اس رسول نے ہمیں حکم دیا۔ کہ زنا۔ جھوٹ۔ شراب نوشی بت پرستی کو چھوڑ کر خدا اور رسول کے احکامات پر عمل کریں۔ حق ہمسائیگی۔ بھائی بندوں کی محبت کو سمجھیں۔ حرام وحلال میں تمیز۔ قتل و غارت سے پرہیز کرکے امن امان کی زندگی بسر کریں۔ یتیموں اور بیواؤں کا مال غضب کرنے سے رک جائیں۔ صرف ایک خدا کی عبادت کریں۔ شرک وشر سے بچیں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں۔ حج کریں اور زکواۃ دیں۔

اس تقریر کے بعد جعفرؓ نے کہا۔ کہ ہم ان باتوں کو سچا تسلیم کرکے اللہ اور رسول پر ایمان لائے۔ اور اُنکے احکامات کی تعمیل کو جزو ایمان بنایا۔ اسپر ہماری قوم کے وہ لوگ جو اپنی سرداریوں اور اپنے آبائی مذاہب سے دستبردار ہونا نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی متذکرا لصدر بدعات کو چھوڑنا پسند کرتے تھے وہ

ہمارے دشمن جان بن گئے۔ ہم پر اور خود بانی اسلام پر طرح طرح کے تشدد کئے۔ اس لئے ہم تیرے پاس آکر پناہ گزین ہیں اور تیری حفاظت کے آرزومند اسلئے اے بادشاہ اب ہم التجا کرتے ہیں کہ تیرے سامنے ہم کو ایذائیں نہ پہنچائی جائیں۔

پھر نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جو تیرے نبی کو خدا کے ہاں سے پہنچی ہو۔ جعفرؓ نے کہا۔ ہاں ہے قرآن شریف۔ بادشاہ نے سنانے کو کہا۔ جس پر جعفرؓ نے نجاشی کو سورہ مریم تلاوت کر کے سنائی اس موقعہ پر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ ایسا رویا کہ اسکی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

نجاشی کے پادری بھی سنکر رونے لگے۔ کہتے ہیں۔ وہ بھی اتنے روئے کہ اُن کے قریب پڑی ہوئی عیسائیت سے متعلق کتابیں آنسوؤں کے پانی سے بھیگ گئیں۔ اسکے بعد نجاشی نے کہا حقیقت میں یہ اور وہ جو موسےٰ لائے تھے (وہ سے اشارہ توریت کیطرف اور یہ سے اشارہ قرآن شریف کیطرف) ایک ہی شمع کا نور ہے۔ اب جاؤ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں۔ کہ تمہاری قوم کے وہ لوگ جو تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارے پاس آنیکی جرأت نہ کرینگے۔

عربوں کے خصائل کا خاکہ قبل از اسلام

محمد صلعم کا کام (دعوت و اشاعت توحید) آسان نہ تھا۔ نبوت سے آٹھ دس برس بعد یعنی ہجرت تک ان کی ہدایات و تبلیغ اُن افراد کے سوا جنکا اعتقاد نہ تو مایوسی کو اور نہ ہی عیر ممکن کو خاطر میں لاتا تھا۔ باقی سب لوگ اکارت اور ناکام سمجھتے تھے۔

وجہ یہ تھی۔ کہ اہل عرب بالخصوص صحرانشین بدو اپنے قدیمی دیوتاؤں

اور رسومات جاہلانہ کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔ وہ اسلام کی ان دھمکیوں جزا وسزا (دوزخ وبہشت) اور عذاب قبر وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ دوم ریاضت و تربیت۔ اور توحید و رسالت کو تسلیم کرنیسے کوسوں بھاگتے تھے۔ زکوٰۃ اور خیرات کے نام سے گھبراتے تھے۔ اور مادہ پرستی وصحرائی عادات کو خوشی سے پسند کرتے تھے جنہیں وہ چھوڑنا نہ چاہتے تھے یہی نہیں بلکہ مادہ پرست بدو۔ اچانک حالات کی موافقت یا عدم موافقت کی صورت میں بتوں کے سامنے نذرانوں اور قربانیوں کے انکار جانگی حالت میں بتوں، اور دیوتاؤں کو گالیاں اور پتھروں کی بوچھاڑ کرتے۔ الغرض انکے دیوتا ذرا ذراسی باتوں پر معزول اور معتوب ٹھہرائے جاتے لیکن اسلام میں خدا کے سامنے اسکی رضا پہ راضی اور ہر حالت میں اسکی شکر گزاری کی تعلیم کو بدو اسی لئے ناپسند کرتے تھے۔ بانشینگان عرب نئے اور سختی کرنیوالے مذہب کی طرف جلد مائل نہ ہوسکے۔ کیونکہ اسلام کسی کی رو رعایت بلحاظ خاندان امارت۔ وجاہت اور دنیاوی ساز وسامان کے نہیں کرتا۔ اور بت پرستی کرنیوالوں کو اور انکے بت پرست آباواجداد کو جہنمی اور گمراہ بتلاتا ہے اور مسلمانوں کا بت شکن جوش انکے نہایت محبوب اور افضل ترین بت کی بقا ایک لمحہ کیلئے بھی پسند نہیں کرتا۔

اسلام اور (قبل از اسلام) جاہلیت کے امور میں نہ صرف عدم مطابقت تھی۔ بلکہ وہ ایک دوسرے سے سراسر خلاف تھے۔ مثلاً شجاعت دریا دلی فیاضی۔ مہمان نوازی قبیلہ پرستی۔ خون و توہین کا بدلہ وانتقام۔ یہ سب چیزیں عربوں میں زمانہ جہالت میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جو صفات عالیہ گنی جاتی تھیں۔ بخلاف اسلام کے رضاد توکل۔ صبر و تحمل۔ ذاتی اور قومی مفاد

کو مذہب کے مطالبات کا تابع کرنا۔ عدم دنیاداری اور غرور و نمود سے اجتناب کرنا اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جو اسلام اپنے ساتھ لایا تھا۔ عربوں کو تضحیک (مذاق اڑانا) اور نفرت پر مشتعل کرتی تھیں۔

عربوں کی عراق پر فوج کشی اور تسخیر ایران

عربوں کے خیال میں ایران کی سرحد سب سے زیادہ مستحکم اور خطرناک تھی۔ وہ ان استحکامات سے اسقدر خوفزدہ تھے۔ کہ انپر حملہ کرتے ہوئے جھجکتے تھے کہ یہ خیال حضرت ابابکر صدیقؓ کے آخری ایام تک قائم رہا۔ پھر صحابہ کرام میں سے ایک صحابی المثنیٰ بن حارثہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے لوگوں کو (عربوں کو) ایرانیوں کے خلاف جنگ کے لئے اکسایا۔ اور بہت جرأت دلائی۔ اسپر ایک گروہ جنگ کیلئے تیار ہو گیا۔ اور عوام کو پیغمبر خدا کا قول یاد آگیا۔ کہ انہوں نے ایرانی سلاطین کے خزانوں اور انکے ملک پر قبضہ کرنیکے متعلق کیا فرمایا تھا۔ اگرچہ ابابکر صدیقؓ کے زمانہ تک اس سکیم نے عملی جامہ نہ پہنا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مثنیٰ بن حارثؓ نے انہیں لکھا کہ ایران کی حالت ابتر ہے۔ اور نیا بادشاہ یزدگرد (شہریار کا بیٹا) اکیس سالہ نوجوان ناتجربہ کار ہے۔ اس خبر سے عربوں کے دلوں میں تسخیر ایران کا شوق بہت بڑھ گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کے بعد فوج تیار کی۔ اور سعد بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا کر تسخیر ایران کیلئے بھیجا۔ اگرچہ پہلے لوگوں نے امیرالمومنین عمر فاروق کو بھی اس جنگ میں ساتھ جانیکے متعلق کہا تھا۔ لیکن ممتاز صائب الرائے اور دوراندیش صحابہ کے صلاح و مشورہ سے اس لئے مدینہ میں رہ گئے کہ وہ اپنی جگہ کسی قابل آدمی کو سپہ سالار بنا کر بھیجدیں اور آپ پیچھے کمک بھیجنے اور ہدایات کے لئے رہیں۔

حضرت عمر ابی وقاص و فوج کیساتھ چند میلوں تک گئے۔ پھر انہوں نے فوج اور سپہ سالار کو چند ہدایات اور عمدہ نصیحتیں کیں۔ اسکے بعد خدا حافظ کہکر مدینہ واپس آ گئے فوج کے ہمراہ سعد آگے بڑھتے چلے گئے۔ کوفہ اور حجاز کے درمیانی جنگلوں کو عبور کرتے ہوئے قادسیہ جو ایران کا دروازہ کہا جاتا ہے پہنچ گئے۔ اس دوران میں وہ ہر قسم کی اطلاعات اور جنگی معلومات کی خبر برابر امیر المومنین کو بھیجتے رہے۔ امیر المومنین ہر خط کا جواب دیتے ہوئے مناسب تدابیر اور مسلسل کمک بھیجتے رہے۔ راستہ میں اسلامی لشکر کو سامان (کھانے بھیڑ بکری وغیرہ) کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے ایک چرواہے سے پوچھا جس نے عمداً جھوٹ بولا۔ اور اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ کیونکہ اس نے اپنے مویشیوں کو اسلامی لشکر کے خوف سے ایک محفوظ جگہ چھپا رکھا تھا۔ لیکن ایک بیل نے بلند آواز سے ڈکار کر اسکے راز کو فاش کر دیا۔ عربوں کو مویشیوں کی موجودگی اور چھپانے کا حال معلوم ہو گیا۔ مویشی پکڑ لئے۔ یہ اتفاقی واقعہ عربوں کی فتح و سلطنت کی پیش گوئی و نیک شگون کے لئے نیز رسول مقبول کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ایرانیوں نے لشکر اسلام کے بڑھنے کی خبر سنکر تیس ہزار مسلح سپاہ رستم کی زیر سرکردگی مقابلہ کے لئے بھیجی۔ لیکن لشکر اسلام کی تعداد صرف سات اور آٹھ ہزار کے درمیان تھی۔ (گو بعد میں کمک آتی رہی) ایرانی عربوں کے نیزے دیکھکر باہم کہنے لگے۔ یہ کیا تکلے ہیں۔ جنگ چھڑی۔ اور اسی زمانہ کے دستور کے مطابق ایک ایرانی عربی گھوڑے پر سوار زرہ بکتر پہنے عرب نوجوان آسلحہ اور زرہ بکتر کے بغیر چھوٹے سے گھوڑے پر سوار ہاتھ میں صرف نیزہ لئے مقابلہ کو آتا ہے۔ اُسے جو دیکھتا ہے۔ ہنس دیتا ہے۔ لیکن عرب اسلامی جوش میں

اس شدت سے لڑتے ہیں۔ کہ ایرانیوں کے لاشے نظر آتے ہیں۔ دو ہی دن کی لڑائی کے بعد ایرانی پسپا ہو جاتے ہیں۔ بالآخر لڑائی ختم کرنے کے لئے سعد اور رستم نے ایک دوسرے کے پاس اپنے اپنے سفیر بھیجے۔ صحرا کے عرب رستم کے دروازے پہ جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ وہاں دیکھتے ہیں، یہ ہے عرب سفیروں نے دیکھا۔ کہ رستم ایک کمرے میں طلائی تخت پر بیٹھا ہے۔ تخت پہ زرتار گدے۔ کمرے میں زربفت کا فرش بچھا ہے۔ ایرانی امراء وزراء کے جسموں پہ زیورات ہیں۔ جنگی ہاتھی انکے چاروں طرف کھڑے جھوم رہے ہیں۔ عرب سفیر ایلچی رستم کے قریب جاتا ہے تو اُسکے ہاتھ میں صرف ایک نیزہ کمر میں تلوار اور کندھے پر کمان لٹکی ہوتی ہے۔ وہ اپنے گھوڑے کو رستم کے تخت کے قریب کسی چیز سے باندھ دیتا ہے۔ اسپر ایرانی (آداب کی خلاف ورزی کے باعث) چلاتے اور ایلچی کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر رستم ان کو منع کر دیتا ہے۔ اور عرب قالین اور گدیوں پر اپنے نیزہ کو ٹیکتا اور انہیں کھوچے لگاتا رستم کی طرف بڑھتا ہے۔ ایرانی کھڑے ہو کر یہ حالات دیکھتے ہیں۔ عرب ہر سوال کا جواب برجستہ اور بیدھڑک دیتا ہے۔ رستم انکے دلیرانہ جوابات سنکر متحیر اور ہراساں ہوتا ہے سعدؓ ہر موقعہ پر ایک نیا سفیر بھیجتا ہے۔ تو رستم اس سے پوچھتا ہے "کل والا" ایلچی آج کیوں نہیں آیا۔ سفیر جواب دیتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ہمارا امیر راحت و کلفت میں سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔

رستم نے عرب ایلچی سے پوچھا۔ تیرے ہاتھ میں یہ تکلا کیا ہے عرب جواب دیتا ہے۔ "چنگاری کا چھوٹا ہونا اس کا کوئی عیب نہیں۔ پھر ایک دن کسی اور عرب سے پوچھا تمہاری تلوار کو یہ کیا مرض ہے کہ ایسی گھسی ہوئی ہے

عرب نے جوش سے کہا۔ "میان سے گھس گئی ہے۔ مگر اسکی دھار تیز ہے۔"
رستم نے ایسے دلیرانہ اور برجستہ جوابات سنکر اپنے مشیروں اور خدام سے کہا۔ ذرا غور کرو۔ کہ ان لوگوں کے دعوے یا تو غلط ہیں یا صحیح اگر غلط ہیں تو بھی ایسے لوگ جو اس احتیاط سے اپنے رازوں کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ کسی بات میں اختلاف نہیں کرتے۔ اور اخفائے راز میں باہم اسقدر متفق ہیں۔ کہ انکے رازوں سے کوئی شخص واقف نہیں ہوسکتا۔ ایسے لوگ حقیقت در نہایت طاقتور اور بہادر ہیں۔ اگر انکے دعوے صحیح ہوں۔ انکا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔

ایرانیوں اور عربوں میں کئی روز تک ہنگامہ خیز لڑائی ہوتی رہی مگر بالآخر میدان لشکر اسلامی کے ہاتھ رہا۔ رستم مارا گیا۔ ایرانی حواس باختہ ہو کر دریائے دجلہ کو عبور کرنیکی جدوجہد کرنے لگے مگر سعدؓ نے انکا تعاقب کرکے گرفتار کرلیا۔ ہزارہا ایرانی تہ تیغ ہوئے۔ بہت سا مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ قیدیوں میں یزدگرد کی بیٹی شہزادی شہربانو بھی تھی۔ جو بعد امام حسین کے عقد میں لائی گئی۔ امیر المومنین کی خدمت میں سعدؓ نے فتح کی خوشخبری پہنچانے کے لئے مدینہ کی طرف قاصد بھیجا۔ اس زمانہ میں حضرت عمرؓ لشکر اسلامی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اور خبروں سے آگاہ ہونے کے لئے مدینہ سے باہر نکل آتے۔ جب سعدؓ کا ایلچی حضرت عمرؓ تک پہنچا تو حضرت عمرؓ ایلچی کی اونٹنی کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔ اور لشکر اسلام کے حالات اور سپہ سالار اسلام سعد کی خیر خیریت دریافت کرتے جارہے تھے۔ آخر میں جب ایلچی کو معلوم ہوا کہ یہی امیر المومنین ہیں تو معذرت چاہی مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسمیں تیرا کیا قصور ہے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے اس ایلچی کے ذریعہ

سعدؓ کو پیغام بھیجا۔ کہ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ تعاقب نہ کرو۔ اتنا ہی کافی ہے
اس مقام پر مسلمانوں کے لئے جائے پناہ۔ اور شہر قائم کرو۔ اور میرے درمیان
کوئی دریا حائل نہ کرو۔

چنانچہ سعد نے حسب الحکم امیر المومنین وہاں کوفہ کی بنیاد رکھی ایک
مسجد کا نقشہ تیار کیا۔ اور کوفہ کو صوبہ کا مستقر (جائے قرار۔ امن گاہ) بنایا
پس سعد نے مدائن پر قبضہ کرکے وہاں کے دفینوں اور خزانوں پر قبضہ کیا۔

چند دلچسپ واقعات اور لطائف

ایران میں کسی عرب کو کافور کا تھیلا ملا۔ وہ
اکٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لایا۔ وہ
اسے نمک سمجھ کر کھانے میں پکاتے رہے۔ مگر نمک کا مزہ پیدا نہ ہوا۔ پھر
اس کافور کے تھیلے کو ایک واقف شخص نے تمیز سے دیکھ لیا۔

لطیفہ ۲: صحرا کے ایک عرب کو ایک بہت بڑا اور قیمتی یاقوت
ہاتھ لگ گیا۔ مگر وہ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف تھا۔ مگر کسی دوسرے
آدمی نے جو یاقوت کو جانتا تھا۔ اس نے اسے ایکہزار درہم میں خرید لیا
بعد میں پہلے شخص کو اسکی قدر و قیمت اور اصلیت معلوم ہوئی۔ تو اسکے رفیقوں
نے اسے لعن طعن کی کہ تو نے ایکہزار سے زیادہ کیوں نہ مانگے۔ کہا اگر مجھے
ایکہزار سے زیادہ گنتی معلوم ہوتی تو میں ایک ہزار سے زیادہ مانگتا؟

لطیفہ ۳: کسی عرب کو سونے کا سرخ ڈلا ہاتھ لگا۔ اس نے با آواز

حاشیہ:۔ (مولف) ہمنے ان دلچسپ واقعات کو لطائف اسلئے لکھا ہے۔ کہ انکے پڑھنے سے
ہنسی آتی ہے۔ حالانکہ یہ مصدقہ اور صحیح حالات ہیں۔

یزدگرد آخری شہنشاہ کی قوت عربوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں
سے کمزور ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہ ۶۵۲ء کے مابین قتل کیا گیا۔

بلند پکارا کوئی ہے جو اس "سرخ" کو "سفید" سے بدل دے اس کا خیال تھا کہ چاندی سفیدی کے باعث سونے سے قیمتی ہوتی ہے۔ ایرانیوں نے علیحدہ علیحدہ مقامات پر عربوں کا سختی سے مقابلہ کیا۔ صوبہ فارس میں جو عظمت وشوکت عجم کا مرکز اور گہوارہ تھا۔ ہر ایرانی سپاہی خوب جوش سے لڑا۔ مگر طبرستان (علاقہ نام ہے جس کے ایک طرف دلدل۔ اور قدرتی جنگل تھا۔ اور دوسری طرف سلسلہ کوہ نے مرکزی سلطنت کا تعلق منقطع کر دیا تھا۔ مگر اہل ایران نے اپنے ساسانی گورنروں کی ماتحتی میں اپنی خود مختاری کو برقرار رکھا۔ ساسانی ممالک کی عربی فتوحات نے زرتشتی مذہب کو اسلام نے آہستہ آہستہ اپنے اندر جذب کر لیا۔

مجاہدین اور سالاران اسلام نے اپنے حریفوں کے سامنے صلح کی بطور شرائط دو چیزیں پیش کیں۔ ایک قرآن - دوم تلوار۔ مگر اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت تھی۔ مگر جزیہ پر مجبور کیا جاتا تھا۔ جو فوجی خدمات کے عوض غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جاتا تھا۔ انہیں فوجی خدمات سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا۔ جزیہ گذار یعنی غیر مسلم رعایا ذمی کہلاتی تھی۔ انکی حفاظت کا انتظام مسلمان کرتے تھے مسلمانوں کی طرح انہیں جنگی خدمت یا صدقات و زکواۃ وغیرہ نہیں دینا پڑتا تھا۔

فتوح البلدان بلاذری میں لکھا ہے۔ کہ جب یمن نے پیغمبر صلعم کی ہدایت پاکر اطاعت قبول کی۔ تو اہل یمن نے سفیر بھیجے کہ عرب نو مسلموں کو آئین و ارکان اسلام کی تعلیم دے جائیں۔ جو یمنی ایمان لائے۔ ان سے صدقہ زکواۃ وغیرہ اور ایمان نہ لانے والے عیسائی، یہودی۔ آتش پرستوں سے

جزیہ وصول کریں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں انہوں نے زید کو حکم دیا۔ کہ مسلمانوں سے صدقہ اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا جائے۔

بحرین میں ایرانی مرزبان اور اسکے چند اہل وطنوں نے اسلام قبول کیا۔ مگر وہاں کے باقی لوگ بدستور مجوسی رہے۔ اور ہر بالغ مرد ایک دینار فی کس جزیہ ادا کرتا تھا۔

مجوسی اور یہودی اسلام کے سخت خلاف تھے۔ وہ اسلام قبول کرنیکی بجائے جزیہ کو ترجیح دیتے تھے۔ عربوں میں جو منافق تھے۔ ان کا قول تھا کہ محمد صلعم پہلے یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے مگر اب انہوں نے ہجر کے مجوسیوں سے بھی جزیہ قبول کر لیا ہے۔ جو اہل کتاب نہیں ہیں۔ اسپر قرآن شریف میں آیت نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔ الخ) اے مسلمانوں تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ راست پر ہو۔ تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے۔ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم سبکو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو جو کچھ کہتے رہے ہو۔ وہ (اللہ) تمکو بتا دیگا۔

وہ مسلم نامہ جو حبیب بن مسلمہ نے باشندگان آرمینہؔ واپیلؔ سے کیا تھا اسکے الفاظ ذیل متذکرالصدر کی تائید کرتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ عہد نامہ حبیب بن مسلمہ کا اہل واپیل کے نام ہے۔ خواہ وہ عیسائی ہوں یا یہودی یا مجوسی۔ حاضر ہوں یا غیر حاضر۔ تحقیق کہ میں تمہاری جان، مال تمہارے معبدہ گرجا وغیرہ اور تمہاری فصلوں کی حفاظت اپنے سر لیتا ہوں" مسلمانوں نے غیر مسلموں سے مساوی اور عادلانہ سلوک کیا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ جن مقبوضہ و مفتوحہ شہروں اور قصبوں کے باشندوں نے اطاعت اسلامی

قبول کرکے ماتحتی اختیار کی۔ یعنی رعایا بن گئے۔ اور بعد میں انہوں نے فتنہ و فساد اور بغاوت کھڑی کر دی۔ وہ اسلامی تلوار سے نہ بچ سکے۔ انکی عورتیں اور بچے اسیر کئے گئے۔ لیکن یہ موافق یا مخالف کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آتش پرستوں یا دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں نے محض غیر مذہب والے ہونیکے باعث انپر تشدد کئے۔ یا اسلام پیش کرنے میں سختی یا تلوار سے کام لیا۔ یا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

مسٹر آرنلڈ نے اپنی تصنیف دعوت اسلام میں لکھا ہے کہ آتش پرست موبدوں نے ایران کے دوسرے مذہبی فرقوں کو محض مذہبی تعصب کے باعث سخت مظالم ڈھائے اور انہیں پوری حقارت سے دیکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان موبدوں کے متعصبانہ رویہ اور مظالم نے بہت سے ایرانیوں کے دلوں میں قائم شدہ مذہب اور شاہی خاندان کی طرف سے جو تشدد کا حامی تھا سخت نفرت پیدا کر دی۔ اور عربوں کی فتح ایران کو اپنی نجات اور امن کا ذریعہ سمجھا۔ اسلام کی سادگی اور آسان تعلیم نے غیر مذہب کو خود بخود اپنے اندر جذب ہونیپر مائل کر دیا۔ اور زرتشتی مذہب کے تکلیف دہ ارکان اور آداب طہارت نے آتش پرستوں کو اسلام قبول کرنے پر راغب کیا۔ اسلام کی سادہ فطرتی تعلیم نے غیر مذاہب کے افراد پر اپنا برقی اثر ڈالا۔ اور صدہا ایرانی خود بخود مشرف اسلام ہوئے۔ قادسیہ کی شکست کے موقعہ پر ایران کے چار ہزار دیلمی سپاہی باہمی مشورہ سے خود بخود اسلام قبول کرکے عربوں سے جا ملتے ہیں اور انکی جلولہ کی لڑائی میں انکا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اور بالآخر کوفہ میں مسلمانوں کے ساتھ آباد ہو جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ ایرانی نومسلموں اور ایرانی قیدیوں کی اسقدر کثیر تعداد عرب میں چلی آئی

کہ بقول دینوری حضرت عمر گھبرا کر پکار اٹھے۔ اے خدا جلولہ کے قیدیوں کے بچوں سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ ایرانی قیدیوں میں سے ابو لولو پارسی نے حضرت عمر کو خنجر سے شہید کر دیا۔ اس واقعہ شہادت سے متعصب شیعہ آج تک خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ آج سے کچھ زمانہ پہلے تک "عمر کشان" کے نام سے ابو لولو کی برسی مناتے رہے۔

حضرت سلمان فارسی رسول مقبول کے برگزیدہ اصحابی تھے۔ ایرانی نو مسلم تھے صحابہ کرام میں آپکا درجہ بہت بلند ہے۔ آپ اس زمانہ میں اسلام لائے تھے۔ جب کہ ابھی تک اسلام کو کسی معرکہ جنگ سے واسطہ نہ پڑا تھا۔ یہ اپنے وقت کے فوجی انجنیئر تھے۔ بڑے مدبر اور دور اندیش تھے اور اسلام کے مخلص فرزند تھے۔ ہجرت کے بعد جب کفار قریش کیطرف سے پیغمبر اسلام کو مدینہ کے محاصرہ کا اندیشہ تھا۔ انہوں نے پیغمبر صلعم کو مدینہ کی حفاظت میں بڑی مدد دی۔ یعنی مدینہ کے گرد اگرد خندق کھود وادی جسکا رواج اس سے پہلے عرب میں نہ تھا۔

سلمانؓ فارسی کو مذاہب کی تحقیق کا بڑا شوق تھا۔ اکثر اصفہان کے گرجاؤں میں آتے جاتے۔ وہاں متاثر ہو کر اپنا پہلا مذہب چھوڑ کر عیسائیت قبول کی۔ پھر آخر کار اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی خاطر وہ اپنے شفیق باپ اور گھربار اور وطن کو خیرباد کہہ کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ اور اسی وجہ سے انہیں اصحاب کے معزز حلقے میں جگہ ملی۔

اسلام کے ممتاز علماء متقدمین میں اکثر اشخاص عجمی الاصل نظر آتے ہیں۔ اسکے علاوہ جنگ کے بہت سے قیدی یا انکی اولاد جنہیں شیرین یاسرین کے چاروں بیٹے جو جلولہ کی لڑائی میں اسیر جنگ ہو کر عرب میں آئے تھے

دنیائے اسلام کے نامور فرزند گزرے ہیں۔

ایران کی اسلامی فتح کے بعد دو یا تین صدی تک اہل ایران کی دماغی اور علمی زندگی پر خاموشی طاری رہی۔ البتہ اس زمانہ میں ایرانی اور عربی کی آمیزش سے ایرانی یعنی فارسی زبان ایک نئے دور اور نئے رنگ میں سے گذری۔ زبان میں نئے خیالات اور نئی نئی تراشیں پیدا ہوئیں۔

سیاسی لحاظ سے ایران کا جداگانہ قومی وجود عظیم الشان اسلامی مملکت میں جذب ہو گیا۔ جو سیحوں سے جبرالٹر تک محیط تھی۔ البتہ اہل ایران نے جو اب مسلمان تھے۔ عقل و فکر اور علوم میں بہت جلد اپنی فطرتی ترقی کا مظاہرہ کیا۔ اگر علوم عربیہ (جو سائنس۔ فن تعمیر دینیات ۔ روایت۔ لغت۔ فلسفہ وغیرہ . . . . میں سے ایرانیوں کا حصہ خارج کر دیا جائے۔ تو ان علوم کا بہترین حصہ غائب ہو جائیگا۔ اسکے علاوہ ملکی نظم و نسق کے بہت سے طریقے ایرانی نمونوں پر ڈھالے گئے چنانچہ الفخری دیوان ہائے حکومت یا سرکاری دفاتر کی بابت لکھتا ہے۔ کہ ہر مسلمان سپاہی تھا اور مسلمانوں کی دوسروں سے جنگیں مذہب اسلام کے لئے تھیں۔ اپنی دولت کا کثیر حصہ خدا اور رسول کی خوشنودی اور اسلام کی ترقی کیلئے (پیغمبر صلعم کی خدمت میں پیش کرتے تھے) صرف کرتے تھے۔ اسکا معاوضہ خدا کے سوا اور کسی سے نہ چاہتے تھے۔

حضرت رسول مقبول اور ابوبکرؓ کے زمانہ تک کوئی مقررہ ٹیکس نہ تھا۔ جب مجاہدین کسی جنگ میں لڑتے اور مال غنیم ہاتھ آتا۔ وہ حصہ وار تقسیم کر دیا جاتا۔ دوسرے ممالک کی دولت جو کچھ آتی اُسکا مسجد نبوی میں ڈھیر لگا دیا جاتا۔ اور پھر اُسے مناسب طور پر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔

حضرت عمر کے زمانہ میں جب فتوحات اسلامی کی کثرت سے ایرانیوں کے خزانے جواہرات اور سونے چاندی کے ڈھیر کھیے چلے آتے تھے۔ حضرت عمر اتنی مال و دولت اور بیشمار زر جواہرات قیمتی پارچات اور نفائس و عجائبات دیکھ کر اسکی مناسب تقسیم کے لئے سوچتے ہیں۔ کہ ایک ایرانی نے بتلایا کہ ہمارے ملک ایران میں آمد و خرچ کے دفتر سرکاری قائم ہوتے تھے۔ انہیں سب کا اندراج ہو جاتا تھا۔ جو لوگ وظیفوں کے مستحق ہوتے انکے نام درجہ بدرجہ قلم بند کئے جاتے۔ تاکہ کوئی غلطی نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت عمر نے بھی دیوان قائم کئے۔ اور مال کے محکمہ میں ایرانی طریقہ رائج ہو گیا۔ جو ۸۰ھ یعنی حجاج بن یوسف کے زمانہ تک رہا۔ ایرانی زبان اور حساب کی ایرانی علامات کام میں آتی رہیں۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ سیتان (واقع ایران) کے گرفتار شدہ قیدیوں میں سے ایک قیدی کے بیٹے صالح کاتب نے سواد (کلدان۔ ایران کے ایک صوبہ یا شہر کا نام) کے محکمہ مال کے ایرانی صدر کاتب و محاسب زادان ابن فرخ سے فخریہ کہا۔ کہ اگر میں چاہوں تو سارا حساب خالص عربی میں کہہ سکتا ہوں۔ جب صالح کا یہ دعوے حجاج نے سنا۔ تو اسنے صالح کو اس کام پر (یعنی عربی میں حساب کتاب رکھنے پر) مقرر کر دیا۔ اس پر زادان کے بیٹے مردان شاہ (ایرانی) نے کہا۔ خدا تیرے خاندان کو اسی طرح نیست و نابود کرے جسطرح تو نے ایرانی زبان کی جڑ کاٹی ہے۔" صالح کو ایرانیوں نے ایک لاکھ درہم بھی اسلئے پیش کئے تاکہ وہ انتقال حساب سے انکار کر دے۔ مگر اس نے درہم لینے سے انکار کر دیا۔

اس زمانہ میں عبدالملک (گورنر ایران) نے بڑا زور لگایا تھا۔ کہ وہ

خارجی یعنی ایرانی اور بائیزنٹینی کے بڑھتے ہوئے اثرات کو دبا دے۔ یا انہیں کم کرکے سرکاری دفاتر سے غیر عربوں کو نکال دے۔ اس سلسلہ میں اسکے نائب حجاج نے جو بڑا سخت گیر اور تند مزاج تھا۔ اس کا ہاتھ بٹایا لیکن جزوی اور عارضی کامیابی کے سوا چنداں فائدہ نہ ہوا۔

قابل ذکر امر یہ ہے۔ کہ پارسی مذہب اگرچہ سرکاری حیثیت سے گر گیا۔ لیکن وہ ایران سے کامل ناپید نہ ہوا۔ عربوں کے حملہ سے پارسیوں کے کچھ گروہ ایران سے بھاگ کر ہندوستان آئے اور بمبئی سورت وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ پارسی موبدان ابھی تک ایران میں اہم اشخاص سمجھے جاتے تھے پہلوی ادب عربی کے دوش بدوش زندہ تھا۔ سرکاری حکام سے خط و کتابت میں اسکی اہمیت باقی تھی۔ انکے آتش کدے برقرار تھے۔ اسلامی حکومت کے زیر سایہ حکومت خود اختیاری حاصل تھی۔ حتےٰ کہ عربی فتوحات کے تین صدی بعد تک ایران کے تقریباً ہر ایک صوبہ میں آتش کدے قائم رہے کسی مسلم کو مذہبی جوش میں آکر آتش کدوں کو منہدم کرنے پر حکام سخت سزائیں دیتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آخیر میں جب خاندان قاچار کے بانی آغا محمد خاں بادشاہ نے کرمان کا محاصرہ کیا۔ تو صرف اسی شہر میں پارسیوں کے بارہ ہزار گھر آباد تھے۔ اور موجودہ زمانہ میں ایران میں پارسیوں کی کمی ہو جانیکا باعث آرنلڈ نے اپنی کتاب دعوت اسلام کے صفحہ ۱۸۱، ۱۸۰ میں اسکی وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ پارسیوں نے رفتہ رفتہ قبول اسلام اپنی خوشی سے کیا۔ آٹھویں صدی کے آخیر میں بلخ کے ایک پارسی سردار "سامان" نے خراسان کے گورنر اسد بن عبد اللہ کی مدد سے اپنے زرتشت مذہب کو خیر باد کہہ کر مع کل اہل و عیال کے اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے حامی

نے نام پر اپنے بیٹے کا نام اسد رکھا۔ یہی وہ نومسلم اسد ہے۔ جسکے نام پر سامانیہ خاندان ۸۷۴ء تا ۹۹۹ء کی بنیاد پڑی۔

نویں صدی کے آغاز کے قریب ابن شہریار (مجوسی)، قابوسیہ خاندان کا پہلا بادشاہ ہوا ہے۔ جسنے اسلام قبول کیا۔ ۸۷۳ء میں ناصر الحق ابو محمد کے اثر سے دیلم کے آتش پرستوں کی ایک کثیر جماعت حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ ۹۱۲ء کے قریب حسن بن علی نے جو مختلف مذاہب کے علوم سے واقف متقی اور عالم باعمل تھے۔ انکی دعوت اسلام سے دیلیم کے بت پرستوں اور آتش پرستوں نے قبول اسلام کیا۔

الغرض اسلامی عدل و انصاف۔ باہمی مساوات۔ سیدھی سادی تعلیم نے اپنے برقی اثرات سے غیر مذاہب کو خود بخود ہی اسمیں جذب ہونے پر مجبور کر دیا۔

باب ششم

عہد بنو امیہ

عہد خلافت سے کیا مراد ہے عہد خلافت کا آغاز اُس وقت ہوا۔ جبکہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ صدیق خلیفہ اول مقرر ہوئے اور خلافت کا خاتمہ ۱۲۵۸ء میں ہوا۔ جبکہ ہلاکو خاں نے اپنی مغل فوجوں کے ساتھ بغداد پر قبضہ کر کے شہر کو لوٹا اور آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا۔ لیکن سر ایڈورڈ کریسی کے قول کے مطابق یہ صحیح ہے۔ کہ خلیفہ مستعصم باللہ کی وفات کے بعد بھی تین سو سال تک خلیفہ کا خطاب بنو عباس کے اشارہ

جانشینوں میں باقی رہا۔ جو ممالک مصر کے دارالخلافہ میں ظاہری شان وشوکت کے ساتھ رہتے تھے۔ اس کے بعد سلطان سلیم اول نے خاندان ممالیک کو تاخت و تاراج کرکے برائے نام خلیفہ وقت کو مجبور کرکے خطاب و خلافت معہ لوازمات مقدسہ اپنے لئے حاصل کیا۔ اور اسوقت سے سلاطین عثمانی اپنے آپکو نائب رسول اللہ۔ امیرالمومنین اور امام المسلمین کہتے تھے۔ خواہ اس سے انہیں فائدہ پہونچا ہو۔ یا نہ پہنچا ہو۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ خلافت چھ سو چھپن سال تک باقی رہنے کے بعد ۱۲۵۸ء میں ختم ہو چکی تھی۔

خلافت کے تین اہم دور

دور اول خلافت راشدہ: یعنی حضرت۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ۔ تاریخ اسلام میں جسے حکومت الٰہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) خلفائے بنو امیہ:۔ اس زمانے کو عرب شہنشاہیت اور کفار کے رد عمل کا زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۳) **بنو عباس کا زمانہ**: انکے عہد کا آغاز ابوالعباس عبداللہ کے نام سے ہوا۔ اس زمانے کو ایرانی عروج۔ فلسفیانہ اور عالمگیر دور کہتے ہیں۔ دور اول میں حکومت کا مرکز مدینہ۔ دوسرے دور میں دمشق اور تیسرے دور میں بغداد تھا۔

مغلوں کے حملے سے اسلام کی ذہنی نیز سیاسی تاریخ میں انقلاب: تیرھویں صدی عیسوی میں مغلوں کا حملہ نہ صرف خلافت کی تباہی کا باعث ہوا۔ بلکہ اس سے مشرق میں سلطنت اسلامی کے اتحاد کا شیرازہ بھی بکھر گیا۔ آنحضرت صلعم کے زمانے کے بعد اگر کوئی اہم واقعہ ہوا ہے۔ تو وہ یہی حملہ ہے۔ بغداد اس وقت علم و تہذیب کا مرکز تھا۔ اور عربی صرف سیاسی اور علمی زبان ہی نہ تھی۔ بلکہ مہذب حلقوں اور شستہ مجالس میں بھی رائج تھی۔

خلافت بنو امیہ حضرت علیؓ کی وفات اور حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے لیکن جو رجحانات اور خیالات اس خلافت کے قیام کا باعث ہوئے انکا پتہ حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم کے زمانے تک چلتا ہے۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم سے اہل عرب میں ایک مشترکہ قومی احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اسلامی مساوات کا یہ نصب العین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت تک بدستور قائم رہا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے شروع میں ہی قدیم قبیلہ داری اختلاف پھر ابھر آئے۔ مکہ۔ مدینہ۔ مہاجرین۔ انصار۔ قبیلہ قریش۔ بنو ہاشم۔ بنو امیہ کی باہمی رنجشیں عود کر آئیں۔ یہ سب اندیشے جو پہلے موجود تھے۔ خلیفہ سوم کی رحمدلی۔ قوت فیصلہ کی نرمی۔ اعلانیہ بنو امیہ کی طرفداری سے زیادہ نمایاں ہو گئے۔

اسلام نے انصاف کا جو سخت اور بے لاگ معیار مقرر کیا تھا بقول علامہ براؤن۔ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آغاز سے ہی اسکی خلاف ورزی کر کے اپنے احباب اور رشتہ داروں کے ساتھ خاص مراعات برتنی شروع کر دیں۔ آنحضرت صلعم کے بعض جانی دشمن ابو سرح جو عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ (جنہیں فتح مکہ کے موقع پر سزائے موت مل چکی تھی۔ مگر حضرت عثمانؓ نے سفارش کر کے سزائے موت سے بچا لیا تھا) اعلےٰ عہدوں پر ممتاز کئے بیش قرار تنخواہیں مقرر کر دیں اور ایسے لوگوں کو جن کی فرائض مذہبی ادا کرنے میں کوتاہی مشہور تھی۔ ذی ثروت ولائتیں سپرد کی گئیں۔

اس روز افزوں بے چینی کے باعث نامور صحابہ کرام بھی بددل ہو گئے یہاں تک کہ حضرت ابوذرؓ کو جو مسلمانوں کی مساوات کے حامی تھے۔ اور دن بدن بڑھتی ہوئی عیش پرستی کے سخت مخالف تھے۔ جلاوطن کر دیا۔ اسکے علاوہ نئی نئی بدعتوں کے باعث جو خلیفہ وقت کی مرضی سے ہوتی تھیں۔ بددلی اور

ناراضگی کا ایک شدید طوفان برپا کر دیا۔ آخر کار ۱۷ ر جون ۶۵۶ء میں معمر خلیفہ کو دشمنوں کے ایک گروہ نے نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔ آپکی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ نے آپکو بچانے کیلئے ہاتھ پہ وار روکا۔ جس سے اُنکی انگلیاں کٹ گئیں۔ اور بالآخر میں جب کٹی ہوئی انگلیاں اور خلیفہ وقت کی خون آلود قمیص حضرت امیر معاویہؓ نے مسلمانوں کو دکھلائیں۔ تو انمیں انتقام کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا۔

حضرت علی کا دورِ خلافت

حضرت عثمان کی وفات کے بعد اسلام کا شیرازہ بالکل پراگندہ ہو گیا۔ اور حضرت علی خلیفہ منتخب ہوئے۔ اور دسمبر ۶۵۶ء میں شدید خانہ جنگی ہوئی جسمیں دس ہزار عرب قتل ہوئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا۔ جب کہ مسلمانوں کی شمشیریں مسلمانوں کے خلاف نیام سے باہر نکلیں۔ شام میں حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار امیر معاویہؓ حکومت کرتے تھے۔ اسلئے وہاں بنو امیہ کا اثر بہت زیادہ تھا۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو اس عہدے سے واپس بلایا لیکن انہوں نے تعمیل حکم سے انکار کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں آپکا ہاتھ ہے۔ نہ صرف تعمیل حکم سے انکار کیا۔ بلکہ اپنی خلافت کا دعوےٰ کر دیا۔ حضرت علی نے مدینہ کی بجائے کوفہ کو صدر مقام مقرر کر کے پچاس ہزار فوج کی معیت میں معاویہ کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ کئی روز کے شبخون اور صلح کی بے نتیجہ گفت و شنید کے بعد طرفین میں زبردست معرکہ ہوا۔ جسمیں حضرت علی کی فتح یقینی تھی۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے میدان جنگ کی حالت دیکھکر یہ چال چلی۔ کہ اپنے لشکر کو کہا۔ کہ وہ یہ نعرہ بلند کریں۔ کہ قانون الٰہی! قانون الٰہی! ہمارا فیصلہ کرے گا! امیر معاویہ کی یہ چال بہت کامیاب رہی۔ حضرت علی کے بہادر اور مدبرین نے قرآن کو ثالث تسلیم کر لیا۔ اور حضرت علی اور

امیر معاویہ کی طرف سے ایک ایک نمائندہ مقرر ہوا۔ جنہوں نے زبردست چال سے حضرت علی کو مسندِ خلافت سے ہٹا دیا۔ اور فروری ۶۵۹ء کو امیر معاویہ نے مکمل طور پر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

حضرت علی اور اُنکے شرکار کو اس فیصلہ سے سخت مایوسی ہوئی۔ نیز حضرت علی کی فوج امیر معاویہ سے انتقام لینے کے لئے دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک شیعہ اور دوسرے خوارجی کہلائے۔

شیعان علیؓ شیعہ حضرت علی اور اُنکے خاندان کے جاں نثار تھے۔ اور اس عقیدے کے پابند تھے۔ کہ آلِ رسول اور قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی پیشوائی اور خلافت کا خدائی حق حاصل ہے۔

خوارج خوارج کا عقیدہ انتہائی جمہوریت پسندی تھا۔ اُنکی رائے میں ہر آزاد عرب منصبِ خلافت کے لئے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ اور جو خلیفہ جمہور مسلمین کی تائید حاصل نہ کر سکے۔ اُسے معزول کیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپکو قرآن کے حوالے سے "شرات" کہتے تھے۔ انہیں امیر معاویہ کی اور بنو اُمیہ سے سخت نفرت تھی۔ نیز حضرت علی سے بھی بخش رکھتے تھے۔ گو جنگ صفین میں یہ معاویہ کے خلاف صف آرا ہوئے۔ مگر صرف اپنے فائدے کے لئے یہی وجہ تھی کہ جب معاویہ نے فیصلہ ثالثی کا نعرہ بلند کیا۔ تو انہوں نے حضرت علی کو مجبور کر کے راضی کر لیا۔ اور جب فیصلہ حضرت علی کے خلاف پکا ہوا۔ تو انہوں نے حضرت علی کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ نے خدا کے سوا بندوں کو کیوں ثالث مانا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے ہی تو مجھے مجبور کیا تھا۔ اور اب پچھتا رہے ہو لیکن اُنہوں نے حضرت کو صاف صاف کہہ دیا۔ کہ اگر اپنی غلطی کا اقرار کر کے خدا سے اپنے گناہ یعنی انسانوں کی ثالثی کی توبہ کرے۔ تو ہم

تیرے ساتھ ہیں۔ ورنہ ہم تیرے اور تیرے دشمنوں سے اعلانیہ جنگ کرینگے۔
حضرت علی نے ان کی گستاخانہ روش سے بہت برا منایا اور انہیں زبردست تنبیہ کی۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی اور ۱۲۰۰۰ آدمی جو خوارجیوں کے ہم عقیدہ تھے۔ امیر معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے روانہ گئے۔ اور قبیلہ واسب کے ایک شخص کو اپنا خلیفہ تسلیم کر کے امیر معاویہ اور حضرت علی دونوں کے خلاف ہوگئے۔ اور انہوں نے امیر معاویہ کے حاسیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب حضرت علی نے انہیں منع کیا۔ تو وہ اُنکے مقابلے پر جم گئے۔ اور تقریباً دو ہزار آدمی مارے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ خوارجی امیر معاویہ سے زیادہ حضرت علی سے متنفر ہو گئے۔ اور آخر کار حضرت علی کو ابن ملجم اور اُسکے دو خارجی ساتھیوں نے کوفہ کی مسجد میں شہید کر دیا۔ حضرت علی کی وفات کے بعد اُنکے فرزند ارجمند حضرت امام حسن بلا مقابلہ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن وہ کچھ عرصے بعد بلا عذر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اور خاندان بنو اُمیہ کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔ امیر معاویہ کے بعد اُسکا بیٹا یزید تخت خلافت پر بیٹھا۔ لیکن ملکی حالات۔

یزید کی تخت نشینی بہت ابتر ہو چکے تھے۔ ملک میں بدامنی ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ دُنیائے اسلام اور ایران میں خصوصاً کوئی نام اس سے سب و شتم اور لعنت ملامت کا مورد نہیں بنایا جاتا۔ ایک ایرانی کو اگر قزاق۔ کذاب وغیرہ کہا جائے۔ تو وہ برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن اگر اُسے یزید یا شمر یا ابن زیاد کہو تو وہ فوراً آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

یزید کی سیرت بعض یورپین مورخوں نے یزید کی حمایت کی ہے لیکن یہ وہ شخص ہیں۔ جنہیں مسلمہ بات کی تردید میں لطف آتا ہے۔ اسمیں کوئی شک

نہیں۔ کہ یزید بلند پایہ شاعر۔ عاشق مزاج۔ موسیقی۔ سیر و شکار شراب وغیرہ کا دلدادہ تھا۔ اسکے علاوہ زبردست جری تھا۔ اور شاہانہ صفات کا حامل تھا لیکن ان سب چیزوں کے باوجود واقعہ کربلا کی یاد اُسکے دامن پر ایک ایسا سیاہ دھبہ ہے۔ جسے دیکھکر ہر انسان انتہائی نفرت سے اُسکے مُنہ پر تھوک دیتا ہے۔

سانحہ کربلا ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء واقعہ کربلا جس نے ساری اسلامی دُنیا میں نفرت کی لہر دوڑا دی جس شخص میں ذرا سا بھی احساس موجود ہے۔ وہ اس دردناک واقعے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ واقعہ بہت بڑا ظلم ہی نہیں بلکہ زبردست سیاسی غلطی بھی تھی۔ جس کی وجہ سے یزید اور اُسکے ساتھیوں نے اپنی اس ظالمانہ حرکت سے دُنیا کے تمام محبان رسول۔ اور حامیان دین حسین کے دلوں سے خاندان معاویہ کی ہمدردی کو یکایک نفرت سے بدل دیا۔ گویا یزید نے واقعہ کربلا کی بنا ڈالکر دُنیائے اسلام کے ہاتھوں میں خاندان بنو امیہ کو تہ تیغ کرنے کے لیئے دو دھاری تلوار دے دی تھی۔ اسکے علاوہ یزید نے ۶۸۳ء میں مدینہ میں جب لوٹ مار کر کے کم از کم سات سو حافظ اور قاریوں کو شہید کیا۔ تو لوگوں کی آتش انتقام بے پناہ جذبے کے ماتحت بھڑک اٹھی۔ آخر کار ۶۸۶ء میں عبداللہ ابن زبیر نے بغاوت کر دی اور اُسکے ہمراہی مختار نے یزید اور اُسکے ہمراہیوں کو ہولناک اور زبردست ایذائیں دیکر قتل کرکے واقعہ کربلا کا پورا پورا انتقام لے لیا۔ لیکن اس واقعہ کے ایک سال کے اندر اندر ہی مختار کو زبیر کے بھائی اور اس کے آٹھ ہزار ساتھیوں کو مصعب نے ہلاک کر دیا۔ اور جون ۶۸۹ء میں محمد ابن علیؓ۔ عبدالملک۔ ابن زبیر اور نجدہ خارجی نے الگ الگ اپنے ساتھیوں سمیت حج مکہ کی صدارت کی۔

مختار کی بغاوت کی خصوصیات مختار نے جس تحریک کی بنیاد ڈالی۔ وہ

شیعی تحریک تھی سارے ملک میں امام حسینؓ اور اہل بیت کے خون کا انتقام لینے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور محمد ابن علیؓ المعروف ابن الحنفیہ کی بحالی کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اس حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو یہ تحریک بعد کی شیعہ تحریکات سے مختلف تھی۔

عبد الملک کی حکومت بنو اُمیہ کی حکومت عبد الملک کے عہد سلطنت میں نہایت عروج پہ پہنچی۔ اسی کے زمانے میں پہلی مرتبہ عربی سکے استعمال ہوئے۔ سرکاری دفاتر فارسی زبان کی بجائے عربی میں منتقل کیے گئے۔ عرب کے قدیم شریف خاندانوں کا اقتدار بڑھا۔ مگر انصار مدینہ کے حقوق کو نہایت بے دردی سے پامال کیا گیا۔ عبد الملک کا قابل لیکن خونخوار ظالم نائب حجاج ابن یوسف دنیائے اسلام کے حق میں لعنت عظیم بنا رہا۔ مقتولین جنگ کے علاوہ صرف ایسے لوگوں کی تعداد جو اُس کے حکم سے بے دردی سے قتل کیے گئے ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ خود عبد الملک کو سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مقدس مقامات بالتقدیس مآب انسانوں کو برباد کرنے میں مطلق باک نہ ہوتا تھا۔ اُسکی شامی فوج اُسکے ہر حکم کو بجا لانے میں مستعد تھی۔

بنو اُمیہ کی حکومت کے متعلق ڈوزی کی رائے ڈوزی لکھتا ہے۔ کہ اسلام کی مخالف جماعت کو اسوقت تک چین نہ پڑا۔ جب تک کہ اُنھوں نے دونوں مقدس شہروں کو زیر و زبر نہ کر لیا مکہ کی مسجد کو اصطبل بنایا۔ کعبہ میں آگ لگائی۔ غرض کہ بنو اُمیہ کا پورا عہد سلطنت کفر و الحاد میں گذرا۔

بنو اُمیہ کی پالیسی بنو اُمیہ کی پالیسی کے باعث اُسکی رعایا کی چار جماعتیں ان سے بالکل بد دل ہو گئیں۔

(۱) **دیندار مسلمان** جو اپنے حکمرانوں کے اعمالِ بد۔ بے دینی کی زندگی اسلام کی اہانت اور دنیا پرستی کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اِن میں تمام اصحاب انصار اور اُنکی اولاد شامل تھی۔ ابن زبیر کی بغاوت کو اِسی جماعت سے تقویت پہنچی۔

(۲) **شیعہ** جنہوں نے خاندان اُمیہ کے ہاتھوں زبردست مصائب برداشت کیئے تھے۔ یہ جماعت مختار کی بغاوت کا رکن اعظم تھی۔

(۳) **خوارج** جنہوں نے ہر قسم کے شورش پسندوں اور لیڈروں کی مدد کر کے حکومت اُمیہ کو سخت پریشان کیا۔

(۴) **محکوم اقوام** موالی یا غیر عرب مسلمان۔ جنہیں عربوں کے ساتھ مساوات کا درجہ دینا تو درکنار اُنہیں اپنے مظالم کا ناجائز شکار بنائے رکھا۔ اور اُنہیں ہمیشہ نفرت کی نگاہوں سے دیکھا۔

سلطنتِ اُمیہ کے زوال کے اسباب فان فلوٹن نے نہایت تحقیق کے ساتھ اموی سلطنت کے زوال کے تین اسباب قرار دیئے ہیں۔

(۱) محکوم نسل کے اپنے ظالم حکمرانوں کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات

(۲) شیعہ تحریک یعنی اہل بیت اطہار کی حمایت۔

(۳) ایک نجات دہندہ۔ مسیح موعود کے ظہور کی اُمید۔

محکوم نسلوں کی حالتِ زار محکوم اور مفتوح نسلوں کی حالت جس میں نہ صرف نومسلم بلکہ یہودی عیسائی اور مجوسی بھی شریک تھے۔ گو محکوم اقوام کی حالت بنو امیہ سے پہلے اچھی نہیں تھی۔ لیکن کم از کم قابل برداشت ضرور تھی۔ مگر بنو اُمیہ کے عہدِ حکومت میں مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے روز بروز لڑائیاں ہونے لگیں۔ محکوم اقوام پر ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ

دن بدن زیادہ ہوتا گیا۔ اب اسلام قبول کرنا بھی رعایا کے لئے کچھ زیادہ منفعت بخش نہ رہا۔ حکومت کے شعبوں میں غبن اور بے جا تصرف دن بدن بڑھنے لگا۔ ہر جانشین نے اپنے زمانہ حکومت میں جسطرح بھی ہو سکا دونوں ہاتھوں سے ملکی دولت سمیٹی اور اپنے پیش رو ظالم والیوں سے اکٹھی کی ہوئی دولت اگلوائی۔ مثلاً یوسف ابن عمر نے اپنے پیش رو خالد القسری اور اسکے ساتھیوں سے ۳ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے وصول کئے۔ اس قسم کے تمام ناجائز مظالم کا بوجھ آخر کار غریب زراعت پیشہ لوگوں کی گردن پر پڑتا تھا جن کو دادرسی کا موقع بھی نہ دیا جاتا۔ اور ٹیکس وصول کرنے میں جو جو ایذائیں دی جاتیں وہ بیان سے باہر ہیں۔

ظالم اور جفا کار حجاج ابن یوسف کے زمانے میں نومسلموں پر بھی کافروں کی طرح جزیہ عائد کیا گیا تھا۔ حالانکہ انہیں مستثنےٰ رکھنا چاہیئے تھا۔ ان کی بد دلی اور بے چینی اتنی بڑھی کہ وہ بڑی تعداد میں عبدالرحمٰن کی بغاوت میں شریک ہو گئے۔ لیکن سخت کشت و خون کے بعد اس بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ اور موالی کو اُنکے مقامات کی طرف بھگا دیا گیا۔ اور ہر شخص کے ہاتھ پر گرم لوہے سے اُنکے موضع کا نام داغا گیا۔ فان کریمر کہتا ہے۔ کہ نومسلموں اور موالی کی رہی سہی اُمید (کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد فاتح نسل کی مساوات کا دعوےٰ کر سکیں گے) بھی ٹوٹ گئی۔ اُنکی بد دلی اور ناراضگی بنو اُمیہ کے زوال کا زبردست باعث بنی۔

عمر ابن عبدالعزیز یا عمر ثانی انکو عمر ثانی اسلئے کہتے ہیں۔ کہ یہی تمام خلفائے بنو اُمیہ میں زاہد و عابد اور حقیقی معنوں میں مومن بادشاہ تھے۔ ڈوزی کے قول کے مطابق اس نے جاہ و طلب دنیا اور دلی

فائدہ کی بجائے اشاعت دین کو اپنا محبوب ترین مشغلہ بنایا۔ انہوں نے عدل و انصاف اور اتحاد اسلامی کے لئے اپنی بساط کے مطابق خوب جدوجہد کی۔ اور اپنے عہدیداران کو بھی اسکی سخت تاکید و ہدایت کی۔ چنانچہ اُنکے ایک مقتدر صوبیدار مصر نے انہیں لکھا کہ :۔

اگر مصر میں یہی حالت جواب ہی جاری رہی۔ تو ایک ایک عیسائی مسلمان ہو جائیگا۔ مگر سلطنت کی تمام آمدنی غائب ہو جائیگی۔ عمر بن عزیز نے اسکے جواب میں اُسے لکھا :۔

میں اسے بہترین نعمت الہی سمجھوں گا۔ کہ سارے عیسائی مسلمان ہو جائیں خداوند کریم نے حضرت رسول پاک کو اشاعت دین اسلام کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ نہ کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے اسی طرح والی ایران خراسان نے دربار خلافت میں شکائت بھیجی۔ کہ ولایت کے اکثر ایرانی صرف جزیہ سے بچنے کیلئے مسلمان ہو گئے ہیں۔

عمر بن عزیز احکامات شریعت کی تعمیر میں سختی کو دخل نہ دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نو مسلم اپنی نیتوں میں سچے نہیں ہیں مگر اس خیال سے کہ اگر ان کی اولاد اور انکے پوتوں پڑپوتوں کی پرورش بحثیت مسلمان کے صحیح طور پر ہو۔ تو وہی آگے چلکر عربوں کے برابر بلکہ شاید اُن سے بھی بہتر مومن بنجائیں۔

عمر ثانی نے عمر فاروق کے طریقوں کی پوری پوری نقل کی۔ اس نے عدل و انصاف اور قیام امن سے محکوم اقوام کے دلوں میں گھر لیا۔ لیکن اسکی نرمی، مساوات، سادگی اور خدا ترسی کے باعث خزانہ خلافت میں کمی واقع ہونے لگی۔ ان کی مساوات و تبلیغ اشاعت اسلام اور مساوی حقوق نے عرب

شہنشاہیت اور اقتدار کے خلاف رعایا کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔
عمر ثانی کے جانشینوں کی حرکات اور طرز عمل نے امویہ خلافت کا خاتمہ کر
دیا۔ عمر بن عزیز کو اگر سیاسی لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو انہوں نے اپنے خاندان
اور نسل کی حکومت پر کاری ضرب لگائی۔ اور زوال کا باعث بنے۔ لیکن مذہبی
نقطہ نگاہ سے عمر بن عزیز کی ایک ایک کارروائی بالکل دینی تھی۔ جیسی کہ پکے
مومن اور شیدائی اسلام کی ہو سکتی ہے مساجد میں حضرت علی علیہ السلام پر تبرا بازی کی
رسم کو حکماً بند کرا دیا۔ جس سے اُسے تمام دیندار اور خدا ترس مسلمانوں کی دلی
ہمدردی حاصل ہو گئی۔ اور شیعوں کی برہمی کو کم کر دیا۔

پہلی صدی ہجری کا اختتام اور عباسی تبلیغ کا آغاز

عمر بن عزیز کی رحلت کے بعد اسکے جانشینوں کے جابرانہ رویہ اور انتشار کے باعث محکوم اقوام کے دلوں میں بد دلی پیدا ہو گئی۔ انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ پہلی صدی کے خاتمہ پر کوئی انقلاب عظیم ضرور رونما ہو کر ہماری حالت بہتر ہو جائیگی۔ سنہ ۱۰۱ھ یعنی سنہ ۷۲۰ء میں شیعوں نے امام محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم کی خدمت میں جو سرزمین شام میں سکونت پذیر تھے۔ حاضر ہو کر عرض کیا۔ انکے ہاتھ پر بیعت کر کے حکومت و خلافت دلانیکا اقرار کیا۔ اور کہا کہ شاید آپ کے طفیل اللہ تعالیٰ انصاف کو زندہ اور ظلم و تشدد کا خاتمہ کرے۔ آپ خلافت کے حصول کے لئے تیاری کریں۔ اس کام کا وقت اور موقعہ بھی یہی ہے جیسے کی اطلاع ہمیں آپ لوگوں میں سے سب سے بڑے عالموں سے مل چکی ہے۔

پس امام محمد موصوف نے مذکرہ الصدر کی تائید کرتے ہوئے ایلچی وفد کو ہدایت کی کہ وہ واپس جا کر احتیاط کیساتھ اور کامل رازداری سے لوگوں

طلب کریں۔ اور حصول خلافت کے لئے خفیہ کوشش جاری رکھیں۔ حتےٰ کہ وہ وقت آجائے۔ الغرض عباسیوں کی دعوت کا آغاز یہاں سے شروع ہوا رعایا کے ان بیشمار افراد سے جو بنو امیہ سے بدل ہو چکے تھے۔ ساتھ ملانا شروع کیا۔ جنہوں نے متفقہ مگر خفیہ کوششوں سے ۳۰ سال کے اندر اندر امیہ کی حکومت واقتدار کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ اس گروہ نے عوام میں اس امر کی تلقین کی کہ وہ محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اور امیہ کی بداعمالیوں اور مظالم کو سنا سنا کر انکی حکومت سے بیزار کیا۔ خراسان کی کثیر آبادی نے اس کام میں انکا پورا ساتھ دیا۔ جب حکومت امیہ کے حاکم خراسان کے والی کو حکومت کے خلاف منافرت پھیلنے کی اطلاعات پہنچیں تو اسنے اس گروہ کے سرکردہ اصحاب کو طلب کر کے پوچھا۔ تو انہوں نے اپنے آپکو تاجر ظاہر کر کے خلاصی پائی۔ پھر یہ لوگ تاجروں کے بھیس میں مملکت میں اپنے مقاصد کی اشاعت کرتے رہے۔ حتےٰ کہ دو سال کی جدوجہد و پراپیگنڈا کے بعد محمد بن علی کو آکر شام میں بتلایا کہ خراسان میں ہم نے ایک ایسا بیج بو دیا ہے۔ جو عنقریب پھل دے گا۔

ابوالعباس کی ولادت

انہی ایام میں محمد بن علی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جسے انہوں نے ان لوگوں کے سامنے منگوا کر کہا۔ یہ تمہارا آقا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس بچہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ چنانچہ بعد میں یہی بچہ السفاح (خونریز) کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے خلافت عباسیہ کی بنیاد رکھی اور سب سے پہلا عباسی خلیفہ مقرر ہوا۔

مذکورہ بالا داعی یعنی عباسیہ خلافت کے حق میں پروپیگنڈا کرنے والے

مبلغوں کو مظلوم اور مستحق ایرانیوں کی تائید وحمایت پر یقین تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ یہ قوم عقلمند۔ لائق۔ اور اپنی قدیم شاندار روایات کی حامل ہے۔ مختار اور اسکا سپہ سالار ابن الاشتر ایرانیوں کے جوہر کا پہلے ہی ثبوت دے چکے تھے۔ ان کی افواج میں زیادہ تعداد ایرانی سپاہیوں کی تھی۔

خلیفہ عبدالمالک کی شاہی افواج کے افسران خراث وعمیر کو مختار کے خلاف سرکوبی کیلئے بھیجا۔ تو انہوں نے ابن الاشتر کے کیمپ میں مختار سے ملاقات کی اور کہا کہ تمہاری فوج میں ایک بھی سپاہی ایسا نہیں جو عربی جانتا ہو۔ تم کیونکر ان کی مدد سے شاہی فوجوں کا مقابلہ کروگے۔

ابن الاشتر نے کہا۔ میری یہ سپاہ وہ قوم ہے۔ جو باریک بینی میں دوسری قوموں سے بڑھی ہوئی ہے۔ انہیں ایرانی امراء اور خاندانی لوگوں کی اولادیں ہیں مجھے ان پر (ایرانی سپاہ) کامل اعتماد ہے میں ان کی مدد سے شامیوں کو جلد شکست دے سکتا ہوں۔ چنانچہ مختار نے ایرانی الاصل لوگوں کو انکے مناسب حال ترقیاں وانعام واکرام دیئے۔ ممتاز عہدوں پر سرفراز کیا۔

اسکے علاوہ مختار کو ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی۔ جسے شیعہ کہتے ہیں۔ انکے دو فرقے بن چکے تھے۔ ایک گروہ نے حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی محمد ابن الحنیفہ کی تائید کی اور دوسرے نے امام حسین کے فرزند علی موسوم امام زین العابدین کی بیعت کی۔ لیکن عام خیالات میں دو فرقوں کے عقائد مشترکہ تھے۔ اس سوال پر کہ اختلاف ہو جانے سے دو گروہ بن گئے۔ کہ آیا اہل بیت میں سے خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

ہاشمیہ	ابن الحنیفہ کی وفات کے بعد اول الذکر جماعت نے انکے فرزند ابو ہاشم

روایت پر یوت کی اسی سے ہاشمیہ کہلائے۔ بقول خان فلوٹن کے ابو ہاشم ہی وہ پہلے شخص ہیں۔ جنھوں نے منظم طور پر دعوت (بلاتا) یعنی تبلیغ عباسیہ کا کام کیا۔ اور شیعوں میں حضرات آئمہ کی طرف سے احترام کے جو جذبات پہلے سے موجود تھے۔ ان احترامات کو تقویت کی تحریک پیدا کی۔ اور باطنی عقائد کو مضبوط بنایا کہ ہر مشکل کا حل امام ہی کے پاس ہوا کرتا ہے۔

ابو ہاشم کا انتقال سنہ ۹۸ھ یعنی ۷۱۶ء میں ہوا۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ اموی خلیفہ سلیمان نے انہیں زہر دیکر مروا دیا تھا۔ اور انہوں نے محمد بن علی (خاندان بنو عباس کے سردار) کو اپنی امامت سپرد کی۔ اسکے بعد سے ہاشمیہ اور انکی دعوت عباسیوں کے لئے ہونے لگی۔

امامیہ شیعوں کے ایک اور گروہ کو کہتے ہیں۔ جو عباسی دعوت کے اس لئے موید نہ تھے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا۔ کہ امام کو اولاد علی و فاطمہ میں سے ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ انکے امام زین العابدین (خلف حضرت امام حسین) تھے۔ جنکا انتقال سنہ ۹۹ھ یا ۷۱۸ء میں ہوئی۔ جو عباسیوں اور علویوں دونوں کے مشترکہ مورث اعلیٰ تھے۔ اس لئے خلافت عباسیہ کی حصولی کے لئے سب نے متحدہ کوشش کی اور جب کامیابی ہو گئی۔ تو اس وقت علویوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور وہ یہ دیکھکر سخت مایوس ہوگئے کہ انکی جانفشانیوں سے صرف عباسیوں ہی نے فائدہ اٹھایا۔

محمد بن علی کی رحلت تقریباً ۱۲۴ھ میں ہوئی۔ انکا جانشین ان کا بیٹا ابراہیم پھر دوسرا بیٹا ابو العباس اور پھر جعفر امام ہے۔ ابراہیم کو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی نے مروا ڈالا۔ اور آخری دو نو عرصہ تک عباسی دعوت اور خلافت عباسیہ کے قیام کیلئے جد و جہد کرتے رہے۔

ابومسلم اسی زمانہ میں وہ دانا دوراندیش اور مدبر شخص تھا جس نے اموی حکومت کے قلع قمع اور عباسی خلافت کی قائمی میں حصہ لیا لیکن آخر کار اپنے زیر احسان لوگوں کے ہاتھوں حسد کا شکار ہوا یعنی قتل کیا گیا۔

مروان ثانی اور الحمار کی کنیت مروان ثانی آخری اموی خلیفہ جو میدان جنگ میں بڑی دلیری سے ڈٹا رہا۔ الحمار کی کنیت دی گئی۔ ۱۲۷ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں یہ پیشگوئیاں مشہور تھیں کہ اب مسیح موعود کا ظہور قریب ہے انکے آمد سے ظلم و ستم سے ہمیں نجات ملے گی۔ اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ انہی وجوہات سے عوام میں جوش پھیل گیا۔ اور وہ سب اموی حکومت کی بربادی کے درپے ہوگئے چنانچہ مروان کو اسکے مشرق کے سرداروں اور عاملوں کی طرف سے اطلاعات پہنچیں۔ کہ دو لاکھ آدمی ابومسلم کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں۔ اسکے بعد خراسان میں بدامنی اور بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اور جب ابومسلم نے اس امر کا اطمینان کر لیا۔ کہ اب مواد تیار ہے۔ تو اس نے مرو کے پاس قصبہ سفندنج میں جون ۱۲۹ھ کو یعنی عباسیہ کا سیاہ جھنڈا بلند کیا۔ اس علم پر آیات قرآنی منقش تھیں کہ ہتھیار اٹھانے والوں کو اسلئے اجازت دی جاتی ہے۔ کہ انکے خلاف۔ ناانصافی کی گئی ہے۔ ظلم کرنیوالوں کو قتل کر دو۔

اس کے بعد نصر بن سیار نے خلیفہ اموی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ دربار خلافت سے حکم آیا۔ کہ مناسب کارروائی کرو۔ چنانچہ اس نے ابراہیم عباس کو قید کر کے زہر دلوا دیا۔ اور ابوجعفر اور ابوالعباس اپنے خاندان کے لوگوں کو لیکر شام کیطرف بھاگ نکلے۔ پھر کوفہ پہنچکر ابومسلمہ اور دیگر اکابرین شیعہ کے ہاں پناہ لی۔

ابومسلم ایک سنجیدہ اور خشک مزاج آدمی تھا جسکے سامنے دنیا کی تمام لذتیں ہیچ تھیں۔ اسکے ساتھ لوگوں کے بے پناہ وفاداری تھی۔ اور اسکی اطاعت کرنیوالوں کا یہ حال تھا۔ کہ اگر دشمن انکے قدموں کے نیچے بھی پڑا ہو۔ تو بھی وہ بغیر اپنے سرداروں کے حکم کے نہ زر فدیہ قبول کرتے نہ قتل کرتے۔ برخلاف اسکے اموی عربوں میں جوش وخروش حب وطن اور وفاداری کی کمی تھی۔ اور ہر شخص کو ذاتی مفاد اور اپنے قبیلہ کی فکر تھی اور بنی امیہ کے ساتھ انکی عقیدت وخلوص اور وفاداری دلی نہ تھی۔ بلکہ ظاہری۔

ابومسلم احتیاط اور دوراندیشی سے اپنی فوجوں کو لئے سات ماہ تک مرو کے مضافات میں موقعہ کے انتظار میں رکا رہا۔ لیکن جب اُسے یمنی عربوں کی تائید وحمایت حاصل ہو گئی۔ تو پھر اس نے خراسان کے دارالخلافہ پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اور قابض ہو گیا۔ اس کے بعد امویہ کے خلاف ہر طرف سے شورش اور بغاوت پھوٹ پڑی۔ ہرات - بوشنج - مرو - نیشاپور - بلخ غرض ہر طرف سے آکر ابومسلم کی فوج میں شریک ہونے لگے۔ ان لوگوں میں امویہ کے خلاف بے انتہا جوش وخروش تھا۔ سب کے سب سیاہ پوش اور ہاتھوں میں ڈنڈے لئے۔ گھوڑوں۔ گدھوں یا پیادہ (جس طرح ہو سکتا تھا) ابومسلم کے پاس کھچے آرہے تھے۔ ان کی تعداد بھی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ اسوقت سے لیکر ابومسلم اور دوسرے عباسی سرداروں کی طاقت برابر بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ نصر ابن سیار میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ نومبر ۷۴۸ء میں قتل کیا گیا۔ اسی ماہ مروان کے بیٹے عبداللہ نے شکست فاش کھائی۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد دمشق پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ خلیفہ مروان ثانی مصر بھاگ گیا مگر ۵ اگست کو گرفتار ہو کر قتل کیا

گیا۔ اُس کا سر قلم کرکے ابو العباس کے پاس بھیجا گیا۔ ابو العباس پہلا عباسی خلیفہ ہوا۔ اُسے ۳۰ اکتوبر ۷۴۹ء کو مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ اُسکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۷۵۱ء میں فلسطین۔ بصرہ۔ ایران۔ اور عرب میں عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح کے بعد مکہ اور مدینہ میں خاندان امیہ کے افراد کا قتل عام شروع ہوا۔ ان میں سے ایک شخص عبد الرحمٰن (ہشام کا پوتا) اپنے دشمنوں سے بچکر ہسپانیہ چلا گیا اور وہاں اس نے اموی خاندان کی حکومت قائم کی۔ جو تین سو سال تک یعنی (۷۵۶ تا ۱۰۳۱ء) اُس کا خاندان حکومت کرتا رہا۔ قرطبہ میں اس زمانہ کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔

اکثر حامیان انقلاب کی امیدیں غلط ثابت ہوئیں

جب عباسیوں نے خون کی ندیاں بہا کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ اور مشرقی سلطنت اسلامی کے مالک کل بن بیٹھے۔ تو انہوں نے عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ کر مرضی کے مطابق فیصلے کرنے شروع کئے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :۔

"کاش مروان کی اولاد پھر ہمارے پاس آ جائے اور خدا کرے آل عباس کا عدل جہنم میں جائے۔"

جب یہ انقلاب کامیاب ہو گیا۔ تو حامیان انقلاب کو بہت مایوسی ہوئی۔ خصوصاً شیعہ تو بہت دھوکے میں رہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے۔ کہ ہاشمیہ سے مراد اہل بیت علی ہیں۔ لیکن بعد میں انہیں محسوس ہوا۔ کہ اُمیہ اہل بیت کے اتنے دشمن نہ تھے۔ جتنے کہ بنی عباس کے ہاشمیہ ثابت ہو رہے ہیں۔ عباسیہ نے اُن لوگوں کے ساتھ بھی

...ستم کی رعایت نہ کی۔ جنہیں انقلاب میں اپنا آلۂ کار بنایا تھا جس طرح ابوسلمہ دغا سے مارا گیا۔ اسی طرح ابوسلم (جس کے استقلال۔ جوش۔ اعلٰے قابلیت اور جان توڑ کوششوں سے بنو عباس کامیاب ہوئے) کا بھی وہی حشر ہوا۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ ابوسلم بے نظیر قابلیت کا مالک تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُسکے انجام بد پر افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ خود اُسکے قول کے مطابق جن لوگوں کو اُس نے جنگ کے علاوہ قتل کیا۔ اُن کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اور دوسروں نے ۶ لاکھ کا اندازہ کیا ہے۔

ابو مسلم کا زبردست اثر ابومسلم نے اپنے پیروؤں میں اطاعت شعاری اور جاں نثاری کا ایک غیر معمولی جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ بقول ایک مؤرخ کے اُسکے زمانے میں دہقانوں (یعنی ایران کے مالکان اراضی) نے مجوسی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ فان فلوٹن فرقوں کے تذکرے میں لکھتا ہے۔

"ابومسلم کو اکثر تو سچا اور واحد امام مانتے تھے۔ نیز یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مجوسی اُسکو (اوست درباجی) یا اوست درمیہ مانتے تھے۔ جو زرتشت کی اولاد میں سے ہے جس کے متعلق مجوسیوں کا اعتقاد ہے۔ کہ وہ بھی امام مہدی کی طرح آخر میں ظاہر ہوگا۔ اِن فرقوں کو ابومسلم کی موت کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ وہ منتظر تھے۔ کہ وہ آکر دنیا کو عدل و انصاف سے مالا مال کر دے گا۔ ایک شخص مسمی اسحاق ترک ابومسلم کی موت کے بعد بھاگ کر ماوراء النہر کی طرف جا نکلا۔ اور خود کو ابومسلم کا داعی کہتا اور شہر بہ شہر کہتا پھرتا تھا۔ کہ میرا آقا رسے میں روپوش ہے۔ پھر اُس

نے دعوے کیا۔ کہ میں نبی ہوں۔ اور زرتشت کا فرستادہ ہوں جو ہنوز زندہ ہے۔"

خرم دینیہ | خرمیوں کے عقائد مزدکیوں کے سے تھے۔ ایران میں متعدد جھوٹے مدعیان نبوت گذرے ہیں۔ وہ اسی فرقہ کے سرغنے تھے۔ مثلاً یوسف ابرم اور مقنع (خراسان کا نقاب پوش نبی) علی مزدک۔ بابک۔

نتیجہ:- اس انقلاب یعنی خلافت امیہ کا خاتمہ اور عباسی خلافت کی قائمی سے ایرانیوں کی حیثیت اور رتبوں میں بڑی ترقی ہوئی۔ اس سے پیشتر یعنی اموی دور میں ایرانی محکوم اور حقیر گنے جاتے تھے۔ مگر اب انکو سلطنت کے اعلے عہدے۔ ذمہ دار خدمتیں سپرد ہو گئیں۔ کیونکہ آل عباس کی فتح و کامیابی اسی قوم ایرانی کی حمایت و تعاون سے حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ البیرونی عباسیہ کو خراسانی یا مشرقی خاندان کہتا ہے اور بنوامیہ کا زوال عربی دور کا خاتمہ تھا۔

تمت بالخیر

ملنے کا پتہ

شیخ جان محمد الہ بخش تاجران کتب علوم مشرقیہ کشمیری بازار لاہور

مقبول عام پریس لاہور میں باہتمام محمد ابراہیم منیجر چھپوا کر الہ بخش تاجر کتب نے کشمیری بازار لاہور سے شائع کی

خلاصه

تاریخ ادبیاتِ ایران

ملنے کا پتہ

شیخ جان محمد الٰہ بخش تاجران کتب علوم مشرقیہ

کشمیری بازار۔ لاہور

...تاب	رعایتی قیمت
ردیائے صادقہ	عمر
ادبی خطوط غالب از محمد عسکری	ع
(۲) دیوان حالی معہ مقدمہ شعر و شاعری	عمر
دیوان غالب اردو معہ حالات و فرہنگ	۵ر
بانگِ درا از ڈاکٹر سر محمد اقبال رح	۸ر
کتب امدادی	
حدائق ارم اردو حل دبیر عجم کا تحفہ ذمی اعلیٰ	۸ر
العروض والقوافی از مولانا محمد شفیع منشی فاضل۔ مولوی فاضل	۶ر
اردو ترجمہ بی۔اے کورس عربی جدید مطبوعہ ۳۶ء (حصہ نثر)	۱۰ر
خلاصہ شعر العجم حصہ چہارم از مولانا محمود الحسن	۴
خلاصہ تاریخ ادبیات ایران	۱۲ر
اردو ترجمہ چہار مقالہ از مولانا محمود الحسن صاحب ایم۔اے۔ایچ۔پی۔او۔ٹی	۸ر
اردو ترجمہ ابوالفضل دفتر اول و سوم معہ فرہنگ از نسیم امروہوی فقیہہ فاضل و فاضل ادب الہ آباد یونیورسٹی	۸عمر
اردو ترجمہ وکلائے مرافعہ از مولوی جان محمد صاحب منشی فاضل۔	۳ر

نام کتاب	رعایتی قیمت
بہترین اردو ترجمہ حاجی بابا اصفہانی از حضرت یونس بھوپالوی	۸عمر
اردو ترجمہ سیاحت نامہ ابراہیم بیگ معہ فرہنگ و دیباچہ از باقی عباسی	۲عمر
بہترین اردو ترجمہ جدید انتخاب قصائد قاآنی	۱۴ر
اردو شرح غزلیات نظیری تا آخر ردیف سین از مولانا خوشی محمد صاحب فاضل ادب عربی۔ اردو فارسی	۲عمر
اردو شرح فرخی تا حصہ نصاب از صوفی محمد اشرف ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل	۱۵ر
اردو شرح رباعیات ابوسعید ابوالخیر حامل متن از مولانا محمود الحسن صاحب منشی فاضل مولوی فاضل	۱۲ر
اردو خلاصہ سیر المتاخرین معہ حالات مصنف	۶ر
اردو ترجمہ مطلع السعدین	
اردو ترجمہ اخلاق جلالی معہ فرہنگ	عمر
جواہر اخلاق خلاصہ اردو اخلاق جلالی از حضرت ساحل بلگرامی منشی فاضل	۸ر
اردو ترجمہ کشف المحجوب	۸عمر
معیار شرافت یعنی اخلاق جلالی حصہ فلسفہ اخلاق بطور سوال و جواب قریباً	